إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

اکتوبر ۲۰۱۰ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

خوابوں کا بیوپار

کوئی ربع صدی ہونے کو ہے کہ ہم نے خواب دیکھنے اور بیچنے شروع کیے۔

ہم نے خواب دیکھا کہ

لوگ مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب سے نظریں پھیر لیں
اور اسلام کے نسخۂ کیمیا پر یکسو ہوجائیں۔

ہم نے خواب دیکھا کہ

اہل دین کے ہاں مسلک، دین نہ بنے
تصوف، کاروبار نہ ہو
علماء کا اختلاف نفرت اور دشمنی پر منتج نہ ہو

ہم نے خواب دیکھا کہ

تعلیم، بزنس نہ ہو
تعلیم میں ثنویت نہ ہو
تعلیم کا مقصد کردار سازی ہو
مدرسے سیکولرزم کی آماجگاہ نہ ہوں

وہ ایسا فرد پیدا کریں جو آج کا آدمی ہو آج کے معاشرے کی رہنمائی کرسکتا ہو

ہمیں تسلیم ہے کہ ہم یہ خواب زیادہ نہیں بیچ سکے

ہماری ناکامی یہ ہے کہ ہمیں ان خوابوں کے خریدار کم ملے
ہماری کامیابی یہ ہے کہ ہم آج بھی یہ خواب بیچ رہے ہیں۔

اے سودآ تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

امین

اصل بحران اخلاقی ہے

سیلاب آیا، مکان ڈوب گئے، جانور مر گئے، لوگ در بدر ہوگئے، بھوک اور پیاس کے سائے ہرسُو پھیل گئے۔ بلاشبہ یہ بحران ہے، آزمائش ہے، کروڑوں لوگوں کو سنبھالنا، ان کی ضروریات پوری کرنا، ان کو دوبارہ پیروں پر کھڑا کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے، یہ ایک خوفناک بحران ہے۔

لیکن معاف کیجئے گا اس سے بڑا بحران یہ ہے کہ لوگ ان آفت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے حکومت پاکستان کو پیسے دینے کے لئے اس لئے تیار نہیں کہ حکمران کرپٹ ہیں، اخلاقی ساکھ نہیں رکھتے لوگوں کو پتہ ہے وہ سب کچھ خود ہڑپ کر جائیں گے—— اور ان حکمرانوں کی خدا کے خوف سے بے نیازی بلکہ دنیا کی رسوائی سے بھی بے نیازی اور ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ انہیں کہا گیا کہ ایسے لوگوں کی ٹیم بنا دو جن کے اخلاق پر لوگوں کا اعتماد ہو تو وہ اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔ دنیا سے اتنی محبت، اتنی خودغرضی۔ یہ لوگ حرام کے اتنے پیسے جمع کر کے کہاں لے جائیں گے؟ ان کے دل کیوں نہیں بھرتے؟ اور سنیے! جو لوگ اس سیلاب کی تباہ کاری سے بچ گئے ہیں وہ چین کی با بجا رہے ہیں۔ انہیں ہوش ہی نہیں کہ مخلوقِ خدا پہ کیا گزر گئی؟ اور جو لوگ امداد کے لئے سامان سے بھرے ہوئے ٹرک لے کر جاتے ہیں وہ لوٹ لئے جاتے ہیں اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ لوٹنے والے سیلاب زدگان تھے یا ڈاکو!

آپ اس بحران، اس المیے کے مختلف پہلوؤں کو دیکھتے جائیں اور ان مظاہر کے پیچھے چھپے اصل سبب کو جاننے کی کوشش کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اصل بحران اخلاقی ہے۔ اصل بحران ایمان کی کمی اور فکرِ آخرت کا نہ ہونا ہے؛ موت کسی کو یاد ہی نہیں، نہ حکمرانوں کو اور نہ عوام کو—— ہر آدمی دنیا کے پیچھے اس طرح پڑا ہوا ہے جیسے باؤلا کتا۔ حبّ دنیا، حبّ جاہ، حبّ مال۔ ہر آدمی کی حسرت ہے وہ راتوں رات امیر ہوجائے۔ بنک بیلنس، گاڑی، بنگلہ، یہ ہر آدمی

کا خواب ہے اور یہ خواب ہر قیمت پر پورا ہونا چاہئے، جائز وناجائز کی پرواہ کیے بغیر۔ ہم کہتے ہیں یہ بحران مادی وسائل کی کمی کا نہیں۔ مادی وسائل تو جلد یا بدیر مل ہی جائیں گے، زیادہ نہ سہی تھوڑے سہی۔ روٹی تو بہرطور کما کھائے مچھندر۔ اصل بحران اخلاقی ہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہیں۔

قرآن کو جلا دو

فلوریڈا (امریکہ) کے ایک پادری نے اعلان کیا کہ وہ ۱۱ ستمبر ۲۰۱۰ء کو قرآن جلائے گا کیونکہ ۱۱/ ۹ کو جو حملہ امریکہ میں بعض مسلمانوں نے کیا اس کی رائے میں اس کا سبب قرآنی تعلیمات ہیں۔ اس بات کے بہت شواہد اب سامنے آچکے ہیں کہ وہ حادثہ امریکہ کے مقتدر صہیونیوں، قدامت پسند عیسائیوں اور ان کی خفیہ ایجنسیوں کی سازش تھا اور اس میں ملوث مسلمان امریکی ایجنٹ تھے جن کی برین واشنگ کی گئی تھی۔

قرآن، امریکیوں اور اہل مغرب کی نگاہ میں بہت کھٹکتا ہے کیونکہ وہ محفوظ ہے اور مسلمانوں کی محبت کا مرکز ہے۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ ہم کتنے بد نصیب ہیں ہمارے پاس یہ دولت موجود ہے لیکن ہمیں اس کی قدر نہیں۔ اسے ہم نے ہر گھر میں طاقوں پہ سجا رکھا ہے۔ اسے ہم بڑے شوق سے ہر سال تراویح میں کھڑے ہو کر 'قاری صاحب' سے سنتے ہیں لیکن نہ قاری صاحب کو پتہ ہوتا ہے وہ کیا پڑھ رہے ہیں اور نہ سننے والوں کو سمجھ آتی ہے کہ کیا پڑھا جارہا ہے؟ یہ ہے وہ قرآن جس سے مغرب لرزہ براندام ہے۔ پاکستان میں کتنے فیصد لوگ قرآن کو سمجھ کر پڑھتے ہیں؟ اگر آپ بہت مبالغہ کریں تو شاید ایک سے ۵ فیصد تک لے جائیں۔ ہمارے تخمینے کے مطابق ایک فیصد بھی نہیں۔ یہ وہ ظلم ہے۔ جو ہم قرآن کے ساتھ نہیں اپنے ساتھ کر رہے ہیں۔

ہم میں سے کتنوں کی خواہش ہے کہ وہ قرآن سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل کریں؟ قراء عظام کو یہ سمجھ کیوں نہیں آتی کہ محض 'ناظرہ' پڑھا دینے سے بات نہیں بن سکتی! علماء کرام کیوں غور نہیں فرماتے کہ ۸ سالہ درس نظامی میں جو ۴۰ علوم پڑھائے جاتے ہیں ان میں قرآن کا حصہ کتنا ہے؟ پاکستان کے حکام اور مرکز وصوبوں کے محکمہ ہائے تعلیم کے بزرجمہر جو کروڑوں

مسلمان بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں اور پبلک و پرائیویٹ یونیورسٹیوں کے مالکان اور وائس چانسلر حضرات کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے کہ ان کے نظام تعلیم میں قرآن کا حصہ کتنا ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ ہم قرآن کے مجرم ہیں۔ کل قیامت کو یہ ہمارے خلاف گواہی دے گا کہ

یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا (الفرقان 30:25)

سنیئے! قرآن کا یہ حق ہے کہ اسے پڑھا جائے، اسے سمجھا جائے، اس پر عمل کیا جائے اور اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ ہم قرآن کے یہ حقوق کب ادا کریں گے؟

مجھے امریکی غلامی قبول نہیں

یہ تھوڑا عرصہ پہلے کی بات ہے کہ لاہور کی ایک پرائیویٹ یونیورسٹی کے شعبہ نفسیات میں ایک سمینار ہورہا تھا۔ نفسیات کی ایک پروفیسر، ماڈرن، بال کٹے ہوئے، سر پہ دوپٹہ ندارد گفتگو فرما رہی تھیں۔ موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ عمر مغرب کی نفسیات پڑھتے پڑھاتے گزر گئی۔ پچھلے دنوں مجھے امریکہ جانا پڑا تو جس طرح میری جامہ تلاشی لی گئی اور مجھے ذلت کا سامنا کرنا پڑا تو میں نے احتجاج کیا۔ مجھے پتہ چلا کہ یہ میرے سبز پاکستانی پاسپورٹ اور شلوار قمیض کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ”مجھے یہ قبول نہیں۔ میں ایک آزاد ملک میں پیدا ہوئی تھی، یہ غلامی اور ذلت میں ہرگز برداشت نہیں کرسکتی“۔

ان پروفیسر صاحبہ کی طرح ہم اکثر پاکستانیوں کو امریکہ کی غلامی قبول نہیں لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے سیاسی حکمرانوں کو یہ قبول ہے، ہماری فوج کو یہ قبول ہے، ہماری بیوروکریسی کو یہ قبول ہے۔ اور ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم متحد نہیں، ہم منظم نہیں، ہم ایک مؤثر تحریک چلا کر امریکہ سے اور اس کے مقامی ایجنٹوں سے جان نہیں چھڑا سکتے۔

ہم امریکی غلامی کا چولہ اپنی گردنوں سے کیسے اتار سکتے ہیں؟ کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ یہ چولہ ہم نے پہنا کیسے؟ دشمن نے ہمیں کمزور دیکھا تو سازشیں کیں، ہمیں آپس میں لڑایا، ہمیں جنگوں میں الجھایا، پھر غلام بنایا۔ پھر ہمارا معاشی، معاشرتی، سیاسی اور قانونی ڈھانچہ قوت سے توڑ ڈالا اور اپنی فکر و تہذیب کے مطابق زندگی گزارنے کے سارے ادارے از سر نو تعمیر کیے

خصوصاً ہمارے نظام تعلیم و تربیت کو بدلا اور کامیابی سے اپنے اس منصوبے پر عمل کیا کہ ان کے نام بے شک مسلمانوں جیسے رہیں لیکن ان کے ذوق اور ان کی پسند و ناپسند کو بدل دو، انہیں اپنی فکر و تہذیب کا رسیا بنا دو۔ چنانچہ اس نے کامیابی سے یہ معرکہ سر کر لیا۔ ہم کہتے ہیں کہ غلامی کی ان زنجیروں کو توڑنے کا صحیح منہج یہ ہے کہ مذکورہ پراسیس کو الٹ دو۔ ایسا نظام تعلیم و تربیت قائم کرو جو اسلام کے مطیع اور اس تہذیب کے باغی پیدا کرے۔ جب ہم نے اپنے کام کی ابتداء اس منہج سے کی تو یہ راستہ ہمیں بتدریج آزادی کی منزل تک لے جائے گا، ان شاء اللہ۔

انسانم آرزوست

اس مردِ درویش کی حکایت تو آپ نے پڑھی یا سنی ہوگی جو دن میں چراغ چلائے کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ کسی نے پوچھا بزرگو! دن میں چراغ جلائے کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ کہنے لگے 'انسانم آرزوست' یعنی 'انسان' کی تلاش ہے۔

یہ حکایت شاید ماضی میں بھی درست رہی ہو لیکن آج اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو لگتا ہے کہ وہ درویش اور مردِ دانا آج ستمبر ۲۰۱۰ء کے پاکستان کی بات کر رہا ہو۔ ہم عجیب لوگ ہیں۔ ہم نے اس ملک کو ترقی دینے کے لئے بہت سے پاپڑ بیلے ہیں۔ یہاں تک کہ آج ریاست پاکستان میں ہیومن ریسورس ڈویلپمنٹ کے نام سے ایک سرکاری ادارہ بھی کام کر رہا ہے — لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہم نے پچھلے ۶۳ سال میں اس معاشرے میں اگر کوئی کام نہیں کیا تو وہ 'انسان سازی' کا ہے۔ کسی پرائیویٹ تحریک، سرکاری تنظیم اور ادارے کو اس کا احساس ہی نہیں۔ ہمارے مغرب زدہ سکول، کالج اور یونیورسٹیاں دو ٹانگوں کے جانور پیدا کر رہی ہیں جہاں نسل نو کی اسلامی تربیت کا تصور ہی موجود نہیں۔ ان کی معراج یہ ہے کہ مغرب زدہ علم پر مبنی ڈگریاں تھما کر طلبہ کو مارکیٹ میں جھونک دیا جائے تاکہ انہیں موزوں ملازمتیں مل جائیں۔ دینی مدارس اپنے اپنے مسلک پر مبنی مسجد و مدرسہ کے افراد کار تیار کرنے میں جتے ہوئے ہیں اور مسلم معاشرہ و ریاست کے لئے متوازن اسلامی سیرت و کردار کے افراد اور

کارکن تیار کرنا ان کے پیش نظر ہی نہیں۔ جہاں تک ان خانقاہوں کا تعلق ہے جو کبھی مرکز تزکیہ ہوا کرتی تھیں تو ان کا حال بقول اقبال یہ ہے کہ ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی تعلیم و تربیت کا وہ انداز کدھر گیا جس کے نتیجے میں ایسے افراد تیار ہوتے تھے جو دن گھوڑوں کی پیٹھ پر اور رات مصلے پر گزارتے تھے۔ آج وہ ادارے اور افراد کہاں ہیں جو ایسے افراد پیدا کریں جن کا ہدف آخرت ہو اور وہ دنیا کی زندگی (انفرادی اور اجتماعی دونوں) اللہ کے حکم کے مطابق گزارنا چاہتے ہوں۔

معاف کیجئے گا! ہم سب مصروف ہیں، کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں؟ انسان سازی کا کام کون کر رہا ہے؟

انقلاب، کیسا انقلاب؟

پچھلے چند ہفتوں میں بہت سے روحانی بابوں اور سیاسی گروؤں نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ پاکستان میں عنقریب انقلاب آنے والا ہے۔ روحانی بزرگ کہتے ہیں کہ نافرمانی اور اللہ کی ناراضی کی وجہ سے آفات آئیں گی اور حکومت تہ بالا ہوجائے گی لہٰذا لوگوں کو توبہ کرنی چاہیئے۔ بعض سیاسی گرو بھی ابتر سیاسی و معاشی صورت حال کی وجہ سے انقلاب کی پیشین گوئی کر رہے ہیں یہاں تک کہ بعض ایسے سیاسی رہنما بھی انقلاب کی دہائی دے رہے ہیں جن کو ان کے مخالف ڈاکو، قاتل، بھتہ خود اور غیر ملکی ایجنٹ کہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں اخلاقی بگاڑ، معاشی ظلم، معاشرتی بے راہ روی اور سیاسی بے اعتدالی آسمان کو چھو رہی ہے اور انقلاب کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ یقین نہیں کہ پاکستان میں کوئی انقلاب آئے گا البتہ ایک بات ہم حتماً اور یقینا کہہ سکتے ہیں اور وہ یہ کہ ہمیں دنیا کی ذلت و رسوائی اور آخرت کی تباہی سے صرف وہی انقلاب بچا سکتا ہے جو اپنی سپرٹ میں اسلامی ہو ـــــ لیکن معاف کیجئے گا ہمیں کسی بڑی اسلامی تبدیلی کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔ بارش تو اس وقت برستی ہے جب بادل چھائے ہوئے ہوں اور ٹھنڈی ہوا

چل رہی ہو۔لیکن یہاں تو اتنی معصیت اور منافقت ہے کہ دم گھٹتا ہے۔ اسلامی انقلاب بیچارہ کہاں سے آئے گا؟ یہاں تو زیادہ سے زیادہ انارکی کی توقع کی جاسکتی ہے اور امکان غالب ہے کہ اس کے پیچھے بھی امریکی سازش ہوگی تاکہ یہ معاشرہ، جو اسلام کا مدعی ہے، جلد تباہ ہوجائے۔

ہم کسی تعمیری اور صالح انقلاب کی نفی اس لئے کررہے ہیں کہ کسی روحانی بزرگ نے اس قوم کی اصلاح کے لئے کوئی مؤثر تگ ودو نہیں کی اور کسی سیاسی گروہ نے یہاں سیاست کو تعمیری رُخ دینے کے لئے کوئی فیصلہ کن جدوجہد نہیں کی۔ پھر مون سون کے موسم کے بغیر، اس کڑی دھوپ میں اور دم گھوٹنے والے معصیت اور منافقت کے حبس میں، جب نہ ایمان کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور نہ عبادت و اطاعت کی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے، ہم اس بارش کی توقع کیسے کریں جو دل کی کھیتی کو اس طرح سینچتی ہے کہ عمل صالح کا سبزہ ہر سُو لہلہانے لگتا ہے۔ اصول کی بات تو یہ ہے کہ ”اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ“ (الرعد 11:13)

میڈیا: کچھ تو خدا کا خوف کرے

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ“ (النور 19:24)

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

ہم پوچھتے ہیں جیو ٹی وی کے میر شکیل الرحمن صاحب سے، دنیا ٹی وی کے میاں عامر محمود صاحب سے اور سماء، ایکسپریس، اے آر وائی، آج، ہم ۔۔۔وغیرہ ٹی وی چینلز کے مالکان سے کہ کیا انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی ہے؟ اور اگر پڑھی ہے تو کیا انہوں نے سوچا ہے کہ کل حشر کے دن وہ اپنے مالک کو جا کر کیا جواب دیں گے؟ یہ جو کروڑوں روپے اپنے اخبارات اور ٹی وی چینلوں سے وہ کما رہے ہیں ان میں سے کتنے وہ قبر میں اپنے ساتھ لے جائیں گے؟

فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے کہ جو آدمی کسی نیکی کا آغاز کرتا ہے تو اسے اپنی ذاتی نیکی کے علاوہ ان سب لوگوں کی طرف سے بھی ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے جو اس کے اتباع میں وہ نیکی کریں۔ اوراسی طرح جو شخص کسی بُرے کام کا آغاز کرے اسے نہ صرف اپنی برائی کا گناہ ملے گا بلکہ ان سب لوگوں کی برائیوں کا بھی گناہ ملے گا جو اس کے اتباع میں اس گناہ کا ارتکاب کریں گے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں مغربیت و لادینیت اور سیکولرزم و لبرلزم، فکرِ آخرت سے دوری اور دنیا اور اس کی دولت سے محبت اور اس کی رنگینیوں میں انہماک اور فحاشی وعریانی پھیلانے میں لیڈنگ رول ان ٹی وی چینلز نے ادا کیا ہے — اور مالکان کے نام کتنے اسلامی اور خوبصورت ہیں — اے اللہ! ان کے چہروں کو آگ کے عذاب سے بچا اور انہیں ہمیشہ تروتازہ اور شاداب رکھ۔ اے اللہ! میر خلیل الرحمن کی اولاد کو سچ مچ اپنا خلیل (دوست) بنالے اور ان سے اپنے خلیلوں جیسا کام لے لے۔ اے اللہ! تیرے رسول ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے دل تیری مٹھی میں ہوتے ہیں تو جدھر چاہے انہیں پھیر دے۔ اے اللہ! تو میر شکیل الرحمن کا دل پھیر دے، دنیا سے آخرت کی طرف، بے حیائی سے حیاء کی طرف اور بے دینی سے دین کی طرف۔ آمین یارب العالمین۔

اوریا مقبول جان

ہم توبہ کیوں نہیں کرتے؟

سوال کرنے والے نے کہا مجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا عذاب ہے تو سیلاب غریبوں اور ناداروں کی بستیوں کی طرف کیوں آرہا ہے؟ جواب دینے والے نے جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں، آنکھوں میں غصہ تھا اور صرف اتنا کہا کہ ان سے کہہ دو اللہ کی حکمت پر سوال نہ کریں اور انتظار کریں اس عذاب کا جو ان کی طرف بڑھ رہا ہے اور انہیں اس کی خبر تک نہیں۔ میں خاموش ہوکر سہم گیا۔ اس لئے کہ گذشتہ کئی ماہ سے میں نے کتنے اہلِ بصیرت کے دروازوں پر دستک دی۔ ابھی سیلاب نہیں آئے تھے، ابھی کراچی اور کوئٹہ میں انسانوں کے ظالم گروہ ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع ہوئے ہی تھے۔ ہر کسی کا اضطراب دیدنی تھا۔ سب

لوگوں آنے والے اس عذاب کے خوف سے لرزاں تھے۔ پھر مجھے ایک ایسے صاحبِ بصیرت کی جانب سے حکم ہوا کہ لکھ دو سیلاب اُمڈ کر آرہے ہیں۔ مارگلہ کی پہاڑیوں سے دھواں اٹھ رہا ہے، لوگ ایک دوسرے کو ایسے قتل کررہے ہیں جیسے خونی بھیڑیئے ہوتے ہیں۔ میں نے حکم کی بجا آوری کی کہ میری نگاہ تو دیوار پار بھی دیکھ نہیں سکتی، عذاب کی آہٹ اور آمد کا کیسے مشاہدہ کرتی۔ میں نے تحریر کردیا۔ کچھ دل خوفِ خدا سے کانپے، کچھ آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ توبہ کی التجائیں بے کار گئیں۔ مارگلہ کا حادثہ ہوا۔ میں اسلام آباد میں تھا۔ پریشانی کے عالم میں ایف سیون کے مکین نسیم انور بیگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ التجا کی، خون بہت بہنے لگا ہے۔ کہنے لگے جب اس کا رنگ سیاہ ہوجائے تو پھر آنا۔ پھر التجا کی اللہ سے معافی کی درخواست کریں۔ کہا وہ تو ہر لمحہ کرتے ہیں لیکن جب سزا شروع ہوجائے تو التجائیں بے کار ہوجاتی ہیں۔ پھر سیلاب آ گیا، بستیاں اجڑنے لگیں۔ ممتاز مفتی کہ جن کا ان صاحبانِ بصیرت سے ایک گونہ تعلق تھا، ان کے صاحبزادے عکسی مفتی نے فون کیا، کہا ایک اہل نظر کے پاس پیغام ہے جو تمہارے ذریعے ان تک پہنچانا چاہتے ہیں، جنہوں نے تمہیں اس عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے کا حکم دیا تھا۔ میری گفتگو ہوئی۔ کہنے لگے میں روز اللہ کے حضور عرضیاں بھیجتا ہوں، معافی طلب کرتا ہوں۔ اس قوم کے لئے، غریبوں، مسکینوں کے لئے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ میری عرضیاں لوٹا دی جاتی ہیں۔ میں نے ان صاحب تک مؤدبانہ پیغام پہنچا دیا جنہوں نے مجھے خبر دینے کے لئے کہا تھا۔ میرے تیرہ سالہ تعلق میں انہوں نے کبھی اس قدر سختی سے مجھے مخاطب نہیں کیا۔ کہنے لگے، آپ نہ بولیں اس معاملے میں۔ اس قوم کے بڑے سے لے کر چھوٹے تک سب پر نظر دوڑائیں۔ سیلاب آچکا ہے، کروڑوں بے گھر ہوچکے ہیں، لیکن مٹھی بھر لوگ ہوں گے جو اللہ کی طرف رجوع کررہے ہوں گے۔ جو اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے دیوانہ وار نکلے ہوں یہ وہی ہیں جن کے دلوں میں پہلے سے خوفِ خدا موجود تھا۔ کیا ان کی تعداد میں سیلاب کی آفت کی وجہ سے ذرا بھی اضافہ ہوا۔ میں خاموش ہوگیا۔ حیرت میں گم

ہوگیا۔ ہم بھی کس مٹی کے بنے ہیں۔ کیا ہم سے ناراضگی اس حد تک ہوچکی ہے کہ اللہ ہماری جگہ کسی اور نسل کو آباد کرنا چاہتا ہے جو اس ملک کو امن سے بھر دے جو اس کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ جس سے اس کے نام کی غیرت وابستہ ہے۔ اپنا دکھ اور کرب ایک اور صاحبِ بصیرت کے سامنے سنایا جو گذشتہ دو سالوں سے ہچکیوں اور آنسوؤں سے رو رو کر اللہ سے قوم کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ لیکن سیلاب کے آنے کے بعد بس خاموش سے ہوگئے۔ میں نے کہا کوئی راستہ ہے کہ اللہ اس قوم کو توبہ کرنے اور اس کی جانب رجوع کرنے کی توفیق عطا کردے۔ کہنے لگے ابھی تو وہ لوگ زندہ ہیں اور اس بات پر گواہ ہیں کہ ہم نے یہ ملک اللہ کے ساتھ ایک وعدہ کر کے لیا تھا کہ یہ تیرے نام کا ملک ہوگا۔ پھر ہم نے تریسٹھ سال اس وعدے سے تمسخر کی ایک بھرپور اننگز کھیلی۔ اللہ نے تریسٹھ سال انتظار کیا۔ اب تو اس کی اننگز شروع ہوگئی ہے۔ اب انتظار کرو کہ یہ سب اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک اس قوم کے لوگوں کو یقین نہ ہوجائے کہ یہ آفات اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں تاکہ ہم اس کی جانب لوٹ آئیں۔ پھر انہوں نے سوال کیا کتنے دن ہوگئے، ہم سیلاب کی آفت کا شکار ہوئے۔ ہم نے دنیا کے ہر دروازے پر دستک دی، بھیک مانگی لیکن ہمارے مغرور سر اس رحمن اور رحیم کے سامنے نہیں جھکے۔ اس لئے کہ ہمارا ایمان ہے کہ یہ مسئلہ اللہ نہیں عالمی برادری حل کرسکتی ہے۔ سیلاب آیا، لوگ اُجڑے، بے گھر ہوئے، لیکن ہم وہ بدقسمت قوم ہیں کہ جن کے حکمران اس ایک بات پر متفق نہ ہوسکے کہ امداد کی رقم کو ایماندار، سچے اور کردار والے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے۔ ہم نے کہا کہ اکثریت کا فیصلہ ہے کہ ہمیں ایسے لوگ نہیں چاہئیں۔ وہ جواب جو حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوم نے اپنے انبیاء کو دیا تھا سوائے ان چند لوگوں کے جن کے دل خوفِ خدا میں دھڑکتے ہیں۔ ہم سیلاب کا رُخ اپنی زمینوں، مکانوں، شہروں اور گھروں کو بچانے کے لئے بے آسرا لوگوں کی جانب موڑتے رہے۔ ہمیں اللہ کا کوئی خوف نہ آیا۔ جو سیلاب سے بے گھر ہوئے تھے، وہ بھی امداد لوٹتے رہے، ذخیرہ کرتے رہے تاکہ

آگے موجود دوسرے بے آسرا لوگوں تک نہ پہنچ سکے۔ لوگ سیلاب میں غرق تھے اور ہم اپنا سکور برابر کرنے کے لئے کراچی میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے رہے۔ ہم نے اپنے ذاتی انتقام کو عوامی غیظ و غضب میں بدل کر سیالکوٹ میں دو معصوم لڑکوں کا بہیمانہ قتل کیا۔ سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ کسی کو رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث یاد نہ آئی کہ اگر بُرائی کو دیکھو تو ہاتھ سے پکڑ کر روک دو، چند ڈنڈے والوں پر یہ سینکڑوں کا مجمع استطاعت رکھتا تھا، لیکن تماشا دیکھتا رہا۔ ہم نے اپنی ذخیرہ کی گئی گندم، چاول، دالیں، یہاں تک کہ دوائیں تک کئی گنا مہنگے داموں فروخت کیں۔ اوستہ محمد کے اس باپ نے اپنے بیٹے کے لئے 22روپے کی دوائی 100 روپے میں خریدی۔ ہم نے سعودی عرب سے آئی ہوئی کھجوریں مارکیٹ میں بیچیں۔ ہم ڈاکوؤں کے غول کے غول بن گئے اور سیلاب میں ڈوبے ہوئے گھروں کو لوٹنے لگے۔ راستہ چلتے لُٹے پُٹے قافلوں سے بچا کھچا قیمتی سامان ہتھیانے لگے۔ مجھے ایک منرل واٹر کی سپلائی کرنے والے نے دُکھ سے بتایا کہ میں نے ایک حساس ادارے کے سربراہ کو سترہ روپے بوتل کے حساب سے کوٹیشن دی۔ اس نے کہا چونتیس لکھو، آدھا میرا آدھا تمہارا۔ ہمارے ڈرائیوروں نے ٹرکوں، بسوں، رکشوں سب کی منہ مانگی قیمت وصول کی، حالانکہ ہمیں خبر تھی کہ یہ لُٹے پٹے لوگ ہیں۔ بحیثیت قوم یہ ہمارا رویہ اعلیٰ ترین حکومتی شخصیت سے لے کر عام آدمی تک ایسے لگتا ہے خون میں رچ بس گیا ہے۔ ریڑھی والا دس روپے کا پھل پچاس روپے میں بیچتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا دکاندار ذخیرہ اندوزی کرتا ہے خواہ ایک بوری آٹے کی کرے۔ چپراسی تک صاحب سے ملاقات کے لئے رشوت لیتا ہے۔ سولہ کروڑ لوگوں کے سامنے جب کوئی ایماندار، سچا اور شریف النفس آدمی ووٹ لینے کے لئے گیا، ہم سب نے اس کا تمسخر اڑایا، پھر اس کو ہرانے کے بعد اس کی تضحیک کرتے رہے۔ ہمارا چھوٹے سے چھوٹا رکشے والا بھی اگر دن کو بس کے اڈے سے سواری کے دس روپے لیتا ہے تو رات کو اس کا ریٹ سو روپے ہو جاتا ہے۔ میں بحیثیت مجموعی اس قوم کی مثالیں دینے لگوں تو کئی کالم درکار ہوں، لیکن

پھر بھی ہم سوال کرتے ہیں کہ عذاب ہماری بستیوں پر کیوں آیا؟ ان پر تو عذاب آچکا۔لیکن وہ جنہیں تھوڑی سی مہلت ملی ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں، کیا وہ رجوع کر رہے ہیں؟ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں ان کی ہنسی اُڑاتا ہوں اورڈھیل دیتا ہوں'' اور پھر فرمایا'' اور تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے'' مسند احمد میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر غور کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' اللہ عام لوگوں پر خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے اس وقت تک ان پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ان میں یہ عیب پیدا نہ ہوجائے کہ اپنے سامنے بُرے اعمال ہوتے دیکھیں اور انہیں روکنے کی قدرت رکھتے ہوں مگر نہ روکیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو اللہ عام اور خاص سب پر عذاب نازل کرتا ہے'' جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اللہ بڑے مجرموں پر عذاب کیوں نازل نہیں کرتا۔ انہیں کیا خبر اللہ نے کتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔ اور کتنی مہلت باقی ہے۔ بس انتظار کریں۔ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں لیکن اس دعا کے ساتھ کہ اے اللہ تیری نارضگی برحق لیکن ہمارا انجام ظالموں اور نافرمانوں کے ساتھ مت کرنا۔ ہمیں ایسے اٹھانا کہ تو ہم سے راضی تھا۔ کہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ سب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہم پر رحم فرما، ہمیں بخش دے۔ بے شک تیری رحمت تیرے غضب پر غالب ہے۔(بشکریہ ایکسپریس)

ڈاکٹر محمد امین

ہم توبہ کیسے کریں؟

انفرادی اور اجتماعی توبہ کے دنیوی اور اخروی فوائد

جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کے حالات بہت بگڑ چکے ہیں، اخلاقی انارکی بڑھ گئی ہے۔ کرپشن لوٹ مار، بے حسی، خودغرضی عام ہے۔ ہمارے حکمران نا اہل ہیں کہ کروڑوں بھوکے اور لٹے پٹے سیلاب زدگان کو سنبھال نہیں سکتے اور اتنے کرپٹ ہیں کہ کوئی ان پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں اور تبدیلی کی باتیں وہ کرتے ہیں جو خود قاتل، ڈاکو اور بھتہ خور ہیں۔ اور عوام کی یہ حالت ہے کہ جو سیلاب سے بچ گئے ہیں وہ اللہ کا شکر ادا کرکے اس کی اطاعت نہیں کرتے اور جو مصائب کا شکار ہیں وہ اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے کہ اللہ کی نصرت کے مستحق بنیں۔ اور نہ قوم میں اتنی فراست وحمیت اور فعالیت ہے کہ وہ اپنی آزادی کی حفاظت کرے اور دشمنوں کی سازشوں سے بچے جو ڈرون اور ہیلی کاپٹر حملوں سے بھی اس کو مار رہے ہیں اور انہی کے ہاتھوں عبادت گاہوں اور بازاروں میں خودکش حملوں، بم دھماکوں اور ٹارگٹ کلنگ سے بھی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بحیثیت معاشرہ ہمارا بنے گا کیا؟

قرآن حکیم کی رو سے آفات سماوی (سیلاب اور زلزلے) تنبیہہ اور عذاب کی صورتیں ہیں اور نتیجہ ہیں اللہ کی معصیت اور قومی اخلاقی انحطاط کا لہٰذا ضروری ہے کہ ہم فوری طور پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ کریں۔ ممکن ہے کئی لوگ اس بات کو نہ سمجھیں کہ توبہ سے ہمارے عملی مسائل کیسے حل ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگ توبہ کے مفہوم اور اس کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے لہٰذا ہم اگلی سطور میں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ توبہ کیا ہے؟ انفرادی اور اجتماعی توبہ کے تقاضے کیا ہیں، ان سے ہماری مشکلات اور مصائب کا خاتمہ کیسے ہوسکتا ہے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی کامیابی کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ سہولت بیان کی خاطر ہم توبہ اور اس کے تقاضوں پر گفتگو انفرادی اور اجتماعی دونوں حوالوں سے کریں گے۔

انفرادی توبہ

اس سے مقصود یہ ہے کہ ایک فرد کی زندگی میں جو مصائب و مشکلات آتی ہیں اس کا بڑا سبب اس کی بداعمالیاں ہوتی ہیں جو اللہ کی معصیت اور نافرمانی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ توبہ کا

مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کی طرف رجوع کرے، اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی مانگے اور اس کی رحمت کا طلب گار ہو۔ سچی توبہ کے کچھ تقاضے ہیں؛

اولاً: یہ کہ آدمی کو اپنی غلطی کا احساس ہو، وہ اس کا اقرار کرے اور اس پر نادم ہو۔

ثانیاً: اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگنا کہ اے اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے معاف فرما دے۔ اگر خالی ندامت ہو اور اللہ سے معافی نہ مانگی تو توبہ بے معنی ہے۔

ثالثاً: معافی مانگتے ہوئے اللہ سے یہ وعدہ بھی کرنا کہ آئندہ یہ گناہ نہ کروں گا۔ اگر گناہ چھوڑنے کی نیت ہی نہیں تو اللہ سے معافی مانگنا اور توبہ کرنا محض دعویٰ بلکہ محض فراڈ اور اللہ سے کھیل ہے۔

رابعاً: عملاً اس معصیت سے باز آجانا یعنی محض نیت کرنا کافی نہیں، ساتھ عزم بھی کرے اور ارادے کو بھی حرکت میں لائے اور ایسے عملی اقدامات کرے کہ آئندہ اس گناہ کو دہرانے کی نوبت نہ آئے۔

خامساً: اگر اس معصیت سے حقوق العباد ضائع ہوئے ہوں تو ان کی تلافی کرنا کیونکہ سچی توبہ کرنے سے حقوق اللہ تو معاف ہوجاتے ہیں لیکن جب تک بندوں کے حقوق کی تلافی نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ بھی قبول نہیں فرماتا۔

یہ ہیں توبۃ النصوح یا سچی توبہ کے تقاضے۔ لہٰذا اب ہم میں سے جو بھی سچی توبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ:

۱۔ استغفار کی کثرت کرے یعنی کثرت سے استغفار کے صیغے دہرائے۔ استغفار کے صیغے معروف ہیں اور دعاؤں کے ہر مجموعے میں مل جاتے ہیں خصوصاً استغفار کے یہ کلمات مختصر و مسنون بھی ہیں اور اکثر بزرگوں کا ان پر عمل بھی رہا ہے "**استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ**" لیکن اس جملے کے مفہوم کو سمجھے تو پھر ادا کرے ورنہ بے سمجھے طوطے کی طرح پڑھنے کا کیا فائدہ؟ اگر معذور ہو تو بھلے اردو میں کہہ دے کہ "اے اللہ! میرے گناہ بخش

دے،تو بخشنے والا ہے، میں خطا کار ہوں آئندہ آپ کی نافرمانی سے بچنے کی پوری کوشش کروں گا''۔ بلکہ آدمی کو چاہیئے کہ تنہائی میں روئے اور گڑگڑائے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ ہم کس باغ کی مولی ہیں جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔لہٰذا ہم سب کو کثرت سے استغفار کرنی چاہیئے۔

۲۔ آدمی معصیت اور اللہ کی نافرمانی سے باز آجائے۔ دیکھئے! ہر آدمی کو خوب پتہ ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کس نیت سے کر رہا ہے۔ لوگوں کو تو ہم دھوکہ دے لیتے ہیں اور اپنے کرتوتوں کی سو تاویلیں کر کے، ملمع سازی سے یا ان کی شکل بدل کر یا ان پر پردہ ڈال کر نیک پروین بنے رہتے ہیں لیکن اندر سے ہمیں پتہ ہوتا ہے کہ ہم دراصل ہیں کیا! لہٰذا اگر سچی توبہ مطلوب ہے تو پھر ہمیں چاہیئے کہ اپنی بداعمالیوں سے عملاً باز آجائیں۔ چور چوری چھوڑ دے، فراڈ کرنے والا فراڈ سے باز آجائے، جھوٹا جھوٹ بولنا ترک کردے، کام چور محنت شروع کردے، وعدہ خلاف وعدے کی پابندی شروع کردے، بے نمازی باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگے، کم تولنے والا صحیح تولنا شروع کردے۔۔۔وغیرہ۔

۳۔ضائع ہونے والے حقوق العباد کی تلافی کرے۔ اگر کسی نوسرباز نے کسی کا مال دھوکے سے لیا ہے تو وہ واپس کردے، کسی جاگیردار نے کسی کی زمین چھینی ہے تو وہ اسے لوٹا دے، کسی صنعتکار نے کسی ملازم کو ناجائز ملازمت سے نکالا ہے تو اسے بحال کردے۔ اگر کسی تاجر نے گھٹیا مال بیچ کر، کم تول کر یا ناجائز منافع لے کر مال بیچا ہے تو گاہک کے نقصان کی تلافی کردے۔ اگر کوئی ایم این اے یا ایم پی اے دھاندلی سے منتخب ہوا ہے تو اپنی سیٹ سے مستعفی ہوجائے۔ اگر کسی حکمران نے ناجائز دولت بیرون ملک بنکوں میں جمع کرائی ہے تو قوم کو واپس کردے یا اقتدار میں آنے اور رہنے کے لئے اگر ملک کو داؤ پر لگایا ہے تو اس سے باز آجائے۔غرض ہر آدمی نے جو بھی بداعمالی کی ہے، اسے اللہ بھی جانتا ہے اور وہ خود بھی جانتا ہے لہٰذا اگر اس نے اللہ کے حضور سچی توبہ کی ہے اور وہ آخرت کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو

اسے چاہئے کہ دنیا ہی میں اپنا حساب چکا دے تا کہ آخرت کے عذاب سے بچ سکے اور اللہ اس سے راضی ہو جائے۔

اجتماعی توبہ

فرد ہی معاشرے کی اکائی ہے لہٰذا اجتماعی سطح پر جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے وہ بھی ایک لحاظ سے فرد ہی کا بگاڑ ہوتا ہے۔ معاشرے میں کرپشن اس لئے ہے کہ فرد میں حب دنیا اور حب جاہ و مال نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ اسراف اس لئے ہے کہ لوگوں کے پاس حرام کی کمائی زیادہ ہے اور انہیں غریبوں کا احساس نہیں۔ حکمران اس لئے بُرے ہیں کہ عوام بُرے ہیں اگر وہ اچھے ہوتے تو اچھے آدمی کو ووٹ دیتے اور بُرے کو رد کر دیتے۔

غرض ہمارے اجتماعی بگاڑ کا بنیادی سبب بھی دراصل فرد کا بگاڑ ہی ہے۔ فرد کا بگاڑ اس وقت اجتماعی بگاڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے جب افراد کی اکثریت اس بگاڑ میں مبتلا ہو جائے اور افراد کی اکثریت اُس وقت بگاڑ میں مبتلا ہوتی ہے جب ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ ہو یا اصلاحی قوتیں کمزور اور غیر مؤثر ہوں۔ اصلاحی قوتوں سے ہماری مراد سیاسی اور دینی قیادت ہے۔ پاکستانی معاشرہ اجتماعی بگاڑ کا اس لئے شکار ہو گیا ہے کہ یہاں سیاسی قیادت خود بگڑی ہوئی ہے لہٰذا وہ بگاڑ کو کم کرنے کی بجائے بڑھا رہی ہے۔ دینی قوتیں اس لئے غیر مؤثر ہو چکی ہیں کہ منتشر، غیر متحد اور مسلک پرستی کا شکار ہیں۔ ان کے تین بڑے گروپ ہیں۔ ایک نے سیاست میں حصہ لیا تا کہ اقتدار میں آ کر اصلاح کر سکے لیکن بوجوہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تعلیم و تربیت اور دعوت و اصلاح کا کام کرنے والے دینی عناصر یا تو غیر فعال، غیر متحد اور غیر منظم ہیں یا ان کی پالیسیاں اصلاح طلب ہیں لہٰذا وہ بھی غیر مؤثر ہیں۔ تیسرے گروپ نے پُر امن اصلاح سے مایوس ہو کر ہتھیار اٹھا لئے ہیں تا کہ قوت سے اقتدار پر قبضہ کر کے اصلاح کرے لیکن وہ حکومت سے مسلح تصادم میں الجھ گیا ہے جس میں کامیاب ہونے کے امکانات تو معدوم ہیں البتہ وہ اسلام دشمن بین الاقوامی قوتوں کے ہاتھوں استعمال ضرور ہو رہا ہے۔

جس طرح انفرادی توبہ کے لئے ضروری ہے کہ فرد پہلے توبہ کرے پھر اپنی اصلاح کرے اور معصیت سے باز آجائے اسی طرح اجتماعی توبہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ پہلے قوم اللہ سے معافی مانگے اور توبہ کرے اور اس کے بعد اپنی اصلاح کرے اور اللہ کی معصیت سے باز آجائے۔علاوہ ازیں بعض گناہ اپنی نوعیت میں اجتماعی اور قومی ہوتے ہیں جیسے ہم نے پاکستان بناتے وقت بحیثیت قوم اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنائیں گے اور یہاں اسلامی احکام نافذ کریں گے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ گویا ہم نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا ہے اور غداری کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اجتماعی توبہ کا طریقہ

اجتماعی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران اجتماعی توبہ کے لئے ایک دن مقرر کریں اور اس دن مقررہ وقت پر ساری قوم کھلے میدانوں میں اللہ کے حضور گڑگڑائے اور اپنی بدعہدی اور بے وفائی کی معافی مانگے اور اصلاح احوال کا وعدہ کرے۔ اگر سیاسی قیادت کو یہ توفیق نہیں ہوتی تو دینی قیادت سامنے آئے اور متحد ہو کر ساری قوم سے درخواست کرے کہ وہ ایک مقررہ دن میدانوں میں جمع ہو کر اللہ سے معافی مانگیں۔لیکن ہم حیران ہیں کہ نہ ہمارے حکمرانوں کو اللہ سے اجتماعی معافی کی توفیق مل رہی ہے اور نہ دینی قیادت ہی کو اس کا احساس ہے کہ وہ اس کار خیر کی ابتداء کرے۔ یقیناً اگر سارے مکاتب فکر کے علماء کرام اور دینی عناصر متحد ہو کر قوم سے اجتماعی معافی مانگنے کی درخواست کریں تو قوم انہیں مایوس نہیں کرے گی اور ان کی آواز پر لبیک کہے گی۔

یہ ظاہر ہے کہ بڑے پیمانے پر زلزلے اور سیلاب ہماری بد اعمالیوں کا ثمرہ اور اللہ کا عذاب ہیں۔ یہ ہمیں جھنجھوڑنے کے لئے ہیں کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہیں یا نہیں اور اللہ کی نافرمانی سے باز آتے ہیں یا نہیں؟ لہٰذا ان مصائب سے بچنے کے لئے پوری قوم کو فوراً اجتماعی توبہ کرنی چاہئے۔

اجتماعی توبہ کے لئے پوری قوم کا نکلنا ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ صرف نکل پڑنا کافی نہیں بلکہ یہ عملی توبہ کا محض پہلا قدم اور اظہار ہے اور اس وقت تک بے معنی ہے جب تک قوم عملاً توبہ نہ کرے۔ عملاً توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عملاً ایسے اقدامات کرے جن سے پتہ چلے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کی روش سے باز آ گئی ہے اور اصلاح کی طرف آگے بڑھ رہی ہے۔ اس کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اصلاح کی طالب اسلامی قوتیں متحد و منظم ہوں اور اپنا احتساب کر کے اپنی پالیسیوں کو مؤثر بنائیں خصوصاً دینی عناصر کا وہ گروپ جو تعلیم و تربیت اور دعوت و اصلاح کے شعبوں میں کام کر رہا ہے اسے متحد و منظم ہو کر ایسی پالیسیاں اپنانی چاہئیں جن سے عوام الناس دین سے جڑ جائیں، ان کے اندر آخرت کا خوف پیدا ہو جائے اور وہ اپنی عملی زندگی میں اللہ کی معصیت سے باز آ جائیں۔ اسی طرح اپنے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے کہ قوم پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنائے گی یہ ضروری ہے کہ سیاسی قیادت ایسی ہو جو اسلام کے ساتھ مخلص ہو، اسلامی احکام نافذ کرنے پر دل سے آمادہ ہو اور صدقِ دل سے عوام کے مسائل حل کرنے کی خواہاں ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارا سیاسی نظام اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو مثلاً انتخابات کا نظام ایسا ہو جس کے ذریعے غریب، متوسط اور اسلام پسند اکثریت کے صحیح نمائندے پارلیمنٹ میں پہنچ سکیں۔ ظاہر ہے ایسی سیاسی قیادت ہرگز وہ نہیں ہو سکتی جو انگریز کی عطا کردہ جاگیروں پر قابض ہو یا حرام کے پیسے سے ملیں چلا رہی ہو یا جو زانی و شرابی ہو، بے دین اور بدکردار ہو تو جب انتخابات ہوں تو کیوں نہ سینکڑوں ہزاروں لوگ ریٹرننگ آفیسرز کے پاس پہنچ جائیں کہ اس غلط امید وار کی امیدواری قبول نہ کی جائے۔ کیوں نہ ریٹرننگ آفیسر خود ہی اس کی امیدواری رد کر دے اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو سکے تو کیوں نہ ہزاروں لوگ عدالت پہنچ جائیں کہ یہ آدمی نااہل ہے بلکہ عدالت خود ہی سوموٹو ایکشن کیوں نہ لے کہ یہ آدمی اس قابل نہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کی نمائندگی کر سکے اور اگر خدانخواستہ اس مرحلے پر بھی ناکامی ہو تو کیوں نہ الیکشن کمیشن ایسے امیدوار کی کامیابی کا

نوٹیفیکیشن کرنے سے انکار کردے اور اگر خدانخواستہ اس سطح پر بھی بریکیں کام نہ کرسکیں تو اسمبلی سپیکر کیوں نہ ایسے بدکردار فرد سے حلف لینے سے انکار کردے اور اگر خدانخواستہ یہاں بھی بریک کام نہ کرے تو کیوں نہ ارکان اسمبلی اٹھ کھڑے ہوں کہ ہمیں اسمبلی میں ایسا بدکردار ساتھی قبول نہیں؟ کیوں نہ متعلقہ سیاسی جماعت کا سربراہ ایسے شخص کو اپنا امیدوار بنانے سے انکار کردے اور اگر یہ ساری بریکیں فیل ہوجائیں تو کیوں نہ ہزاروں آدمی سپریم کورٹ آف پاکستان پہنچ جائیں کہ ایک غلط آدمی منتخب ہوکر ایوان میں پہنچ گیا ہے اس کی رکنیت فی الفور کالعدم قرار دی جائے اور عدالت عملاً اس کی رکنیت ختم کردے۔

ہم نے محض ایک جزیے (کہ اسمبلی میں صحیح آدمی پہنچنا چاہئے) کی مثال محض وضاحت کے لئے دی ہے کہ اگر ہمیں بحیثیت قوم اس وعدے کو وفا کرنا ہے کہ پاکستان اسلام کا قلعہ بنے تو اسمبلی میں صحیح نمائندوں کے پہنچنے اور غلط نمائندوں کو وہاں پہنچنے سے روکنے کے لئے پاکستانی معاشرے کے ہر فرد کو اٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور اپنا کام اسلامی سپرٹ سے اور اپنے فرائض منصبی صحیح طریقے سے ادا کرنے چاہئیں۔ اگر ووٹرز، ریٹرننگ آفیسرز، عدالت، الیکشن کمیشن، سپیکر، ارکان اسمبلی، سیاسی جماعت، سپریم کورٹ جیسے متعلقہ اداروں کا ہر فرد اس عہد کے لئے کام کرے اور قانون و آئین اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے تو کوئی سیکولر اور بدکردار آدمی اسمبلی میں نہیں پہنچ سکتا اور نہ وہاں نفاذ اسلام کے کام کو سبوتاژ کرسکتا ہے۔

یہ ہم نے محض ایک مثال دی ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ محض اجتماعی توبہ کا اظہار و اعلان کافی نہیں بلکہ اس کے لئے عملی اقدامات درکار ہیں اور ہر شعبے میں درکار ہیں۔ سیاست میں، تعلیم میں، معاشرتی زندگی میں، معاش کے شعبے میں، میڈیا میں۔۔۔۔اور جب تک قوم ابلیسی مغربی نظام کو چھوڑنے اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے مستعدی کا عملی مظاہرہ نہیں کرتی، زبانی توبہ بے کار ہے۔

عام لوگوں کی تفہیم کی خاطر کہ قومی زندگی میں توبہ کے بعد کن عملی اصلاحات کی ضرورت

ہے ہم ایک اور مثال دیں گے اور وہ ہے شعبۂ تعلیم کی کیونکہ تعلیم کا شعبہ سیاست سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ یہی شعبہ وہ افراد تیار کرتا ہے جو سیاست سمیت زندگی کے سارے شعبوں کی صورت گری کرتے ہیں۔ تو تعلیم کے شعبے کی ایسی اصلاح کے لئے کہ یہ ایسے افراد تیار کرے جو اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی دونوں اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنا چاہیں، یہ ضروری ہے کہ تعلیم کو کاروبار نہ سمجھا جائے، تعلیم کا سارا نظام اسلامی وعصری تقاضوں پر مبنی ہو نہ کہ مغربی تہذیب کی اندھی نقالی پر مثلاً ہر سطح کی جدید تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ دینی علوم کی تدریس اس کا لازمی حصہ ہو اور تعلیم سے اصل مقصد تعمیر سیرت و کردار ہو۔ غیر ملکی اور غیر مسلم مصنفین کی بجائے کتابیں پاکستانی مصنفین کی پڑھائی جائیں، غیر ملکی امتحانوں کی بجائے اپنے امتحانوں کی ساکھ کو بحال کیا جائے۔ انگلش میڈیم فی الفور ترک کر دیا جائے کہ یہ محض مغرب کی ذہنی غلامی کو پروموٹ کرتا ہے اور حصہ مڈل سے انگریزی صرف ان طلبہ کو پڑھائی جائے جو اسے

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں، یہ ایک مشن ہے، ایک جذبہ ہے اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی اور اتفاق ہے تو کوشش کیجئے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔

خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنایئے۔

فی شمارہ 25 روپے سالانہ 300 روپے

معاون خصوصی 5000 روپے

چیک بنام ارقم فاؤنڈیشن اور منی آرڈر بنام ناظم دفتر 135-A ہنزہ بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور بھجوایئے یا دفتر ہنزہ بلاک میں دستی جمع کروا کر رسید حاصل کیجئے۔

پڑھنا چاہتے ہیں۔عربی تیسری جماعت سے ہر مسلمان طالب علم کے لئے لازمی ہو تاکہ میٹرک پاس ہر مسلمان طالب علم قرآن حکیم سمجھ کر پڑھ سکے نیز قرآن کی مؤثر تعلیم سکول، کالج، یونیورسٹی ہر سطح پر لازمی ہو۔مغربی لباس اور اقدار ترک کردی جائیں۔خواتین کا تعلیمی نصاب طلبہ سے ہر سطح پر مختلف ہونا چاہیئے اور ان کی صنفی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہونا چاہیئے کیونکہ اگر آج ہم اپنی بچیوں کی صحیح اسلامی تربیت کرلیں تو کل کی بہترین مائیں تیار ہو سکتی ہیں جو پورے خاندان کی صحیح اسلامی پرداخت کرسکتی ہیں۔ یونیورسٹی سطح کے کورسز بالخصوص اسلامی تناظر میں تیار کئے جانے چاہئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے اور اساتذہ کو طلبہ کی تربیت اس انداز میں کرنی چاہیئے کہ آج کے یہ بچے کل جب جوان ہوکر عملی زندگی میں پہنچیں تو حقیقی مسلمان ہوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا ان کو مرغوب ہو۔اس مقصد کے لئے یہ بالکل ناگزیر ہے کہ موجودہ نظام تعلیم کو یکسر ترک کردیا جائے جو بے اخلاق اور بے کردار نسل تیار کررہا ہے اور مسلمان طلبہ کو ملحدانہ مغربی تہذیب کی پیروی کی تربیت دے رہا ہے۔

حاصل بحث

اس مضمون کا حاصل اور تلخیص یہ ہے کہ ہمیں آج قومی سطح پر سیلاب کی جس آفت کا سامنا ہے، وہ ہماری بداعمالیوں کا ثمرہ ہے، وہ ہمیں جھنجھوڑنے کے لئے ہے کہ ہم میں سے ہر فرد اللہ کے آگے شرم ساری سے جھک جائے، اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور معصیت سے عملاً باز آجائے اور توبہ کا یہی عمل ہمیں قومی سطح پر بھی دہرانا چاہیئے۔اگر ہم ایسا کریں گے اور سچی توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیں گے تو اللہ ہم سے راضی ہوجائے گا اور اس کے احکام کے پر عمل کے نتیجے میں ہمارے اندر وہ صلاحیتیں بھی پیدا ہوجائیں گی جو دنیوی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی ۔لیکن اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور ڈھیٹ بن کر فسق و فجور پر ڈٹے رہے اور اللہ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو ہم اللہ کے غیظ

وچ غضب کو اور اپنی مکمل تباہی کو خود دعوت دیں گے اور ہمارا حشر وہی ہوگا جو ہم سے پہلے نافرمان قوموں کا ہوا اور کوئی ہمیں اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکے گا۔

قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ

ہمارا دینی تناظر ڈاکٹر محمد امین

علماء کرام کی فراست کا امتحان

اس دفعہ عید میلادالنبی کے جلوسوں پر حملے، فائرنگ اور گھیراؤ جلاؤ نیز لاہور میں داتا دربار اور کوئٹہ میں یوم قدس کے موقع پر خودکش حملوں کے نتیجے میں کئی بے گناہ انسانی جانوں کے ضیاع اور املاک کی تباہی کے واقعات افسوسناک اور قابل مذمت ہیں اور ان پر غور ضروری ہے تاکہ آئندہ ایسے واقعات کے اعادے کو روکا جاسکے۔ فریقین ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں اور فوری طور پر ہمیں ایسے ذرائع میسر نہیں ہیں کہ ہم کوئی حتمی رائے قائم کرسکیں کہ ان واقعات میں کس کا ہاتھ ہے۔ تاہم اس معاملے پر ہم ایک دوسرے پہلو سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو ہماری رائے میں بہت اہم ہے اور جب تک علماء کرام اور ان کی تنظیموں، جماعتوں اور اداروں کی قیادتیں اس پہلو پر نہیں سوچیں گی، صورت حال کی اصلاح نہ ہوسکے گی۔

ہماری یہ سوچی سمجھی اور پختہ رائے ہے کہ ہمارے ملک میں مسلک پرستی اور فرقہ واریت کو فروغ دینے میں بنیادی کردار اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں اور ان کے پس پردہ بین الاقوامی قوتوں کا ہے۔ بلاشبہ علماء کرام میں بھی بعض ایسے عناصر موجود ہیں جو شدت پسندی کا رجحان رکھتے ہیں اور ان کی اصلاح بھی ضروری ہے لیکن ہمارے تجزیے کے مطابق اس ضمن میں زیادہ اہم کردار ہماری اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں کا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ علماء کرام

اور ان کی تنظیموں کے فہیم عناصر اس صورت حال کا ادراک کریں اور اس کا علاج کریں۔

ہماری اسٹیبلشمنٹ کی قیام پاکستان کے بعد یہ مستقل پالیسی رہی ہے کہ علماء کرام اور دینی جماعتوں کو تقسیم کرو، باہم لڑاؤ اور خود مزے سے حکومت کرو۔ اس کے لئے جو اقدامات انہوں نے کئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ ہماری حکومتوں نے دینی مسالک کی بنیاد پر سیاسی جماعتوں کے قیام کی اجازت دی حالانکہ اصولاً یہ غیر آئینی ہے۔انہوں نے خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے ہر دینی مسلک کی ایک سیاسی جماعت بنوائی، انہیں انتخابات میں ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیا اور ایک دوسرے کے خلاف کفر اور گمراہی کے فتوے لگوائے۔ اس سے نہ صرف وہ سیاسی میدان میں ناکام ہوئے بلکہ اس سے دین اور اہل دین کی ہوا خیزی ہوئی اور فرقہ واریت بڑھی۔ پھر انہوں نے ہر دینی مسلک کے اندر کئی سیاسی جماعتیں اور دھڑے قائم کرائے جس سے دینی سیاسی جماعتیں مزید کمزور ہوئیں یہاں تک کہ آج قومی سطح پر کسی دینی سیاسی جماعت کی کوئی ساکھ اور وزن نہیں رہا اور نہ پارلیمنٹ میں ان کے غلبے اور اکثریت کا کوئی امکان باقی رہا ہے۔ البتہ اگر وہ باہم مل جائیں تو پھر ان کا کچھ وزن بنتا ہے چنانچہ مشرف دور میں اس طرح کا (ایم ایم اے کا) اتحاد قائم ہوا اور اسے کچھ کامیابی بھی ملی لیکن اسے بھی اسٹیبلشمنٹ نے اپنے حق میں استعمال کیا جس سے بعض لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ یہ اتحاد بھی اسٹیبلشمنٹ نے کرایا تھا اور یہ کہ پاکستان کے علماء ہمیشہ اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں۔

اس صورت حال کا علاج اس لئے مشکل ہے کہ اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں نے دینی عناصر میں انتشار کا یہ بیج اپنی زرخرید قیادت کے ذریعے بویا ہے لہٰذا جن سے ہم علاج کی توقع کرتے ہیں وہ خود بیمار اور بیماری کا سبب ہیں لہٰذا وہ علاج کیا کریں گے؟ اس بارے میں اگر کوئی کردار ادا کرنا ممکن ہے تو صرف ان سینئر اور محترم علماء کرام کے لئے جو غیر سیاسی ہیں بشرطیکہ وہ اس پر یکسو اور متحد ہوجائیں یا پھر دینی سیاسی جماعتوں کی دوسرے درجے کی

قیادت کے مخلص عناصر متحد ہو کر اور کارکنوں کو ساتھ ملا کر بغاوت کردیں تو شاید کچھ بات بنے ورنہ اللہ ہی حافظ ہے۔

ہم نے 'زرخرید قیادت' کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بظاہر بڑے سخت اور انتہا پسندی پر مبنی نظر آتے ہین لیکن قارئین کی معلومات اور ضیافت طبع کے لئے عرض ہے کہ یہ آج سے تقریباً پندرہ برس پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے ایک مقامی ہوٹل میں ایک دینی پروگرام ہورہا تھا جس میں مرحوم ڈاکٹر غلام مرتضٰی ملک صاحب نے بھی تقریر کی اور علماء کرام کی جذباتی، ایمان افروز اور بلند بانگ دعووں پر مبنی تقاریر پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ علماء کرام کو اپنے اندر ان کالی بھیڑوں کی بھی فکر کرنی چاہیئے جو خفیہ ایجنسیوں کی لے پالک ہیں۔ ان کی تقریر کے بعد جو علماء کرام سٹیج پر آئے انہوں نے ملک صاحب کی تقریر کی زور شور سے مذمت کی۔ تنگ آکر ڈاکٹر ملک صاحب دوبارہ سٹیج پر آئے اور انہوں نے کہا کہ وہ ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل رہے ہیں اور انہوں نے علماء کرام کی خفیہ ایجنسیوں کی طرف سے تنخواہوں کی فہرستیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ اگر آپ نے مجھے زچ کیا تو میں ان علماء کرام کے نام مع تنخواہوں کے اس سٹیج پر بیان کردوں گا۔ اس پر ہال میں سناٹا چھا گیا۔ ہم نے اس ہنگامے کی کچھ خبر دوسرے روز کے اخبارات میں دیکھی۔ اتفاق سے اس وقت راقم ڈاکٹر ملک صاحب مرحوم کے ساتھ ایک تعلیمی پراجیکٹ پر کام کررہا تھا چنانچہ جب میں ظہر کے بعد ڈاکٹر ملک صاحب سے ملنے گیا تو ان سے کہا کہ آپ نے یہ کیا دھما کہ کردیا؟ اس پر ملک صاحب نے اپنی زبان سے سارا واقعہ سنایا اور افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے علماء کس طرح ملک میں اسلامی نظام لاسکتے اور معاشرے میں دینی انقلاب برپا کرسکتے ہیں؟

۲۔ جنرل ضیاء الحق صاحب نے اپنے عہد میں جب اسلامائزیشن کی کوشش کی تو اسٹیبلشمنٹ نے انہیں اس میں ناکام بنانے کے لئے متعدد حربے اختیار کئے۔ خصوصاً ان کی ترجیحات کو بدلا اور معاشرے و فرد کی اصلاح کے لئے موثر اقدامات کرنے کی بجائے انہیں

حدود نافذ کرنے اور قانون سازی کی راہ دکھائی۔ دینی تعلیم کے حوالے سے یہ کیا گیا کہ ہر مسلک کے الگ دینی تعلیم کے وفاق کی منظوری دی گئی اور ان کی آخری ڈگری کو ایم اے اسلامیات وعربی کے برابر قرار دیا گیا۔ اس چیز نے فرقہ واریت کو استحکام بخشنے میں اہم کردار ادا کیا حالانکہ وہ اگر چاہتے تو دینی تعلیم کا ایک ہی بورڈ اور یونیورسٹی بنا سکتے تھے یا وہ زیادہ سے زیادہ اہل تشیع کے لئے الگ سیکشن بنا دیتے لیکن باقی لوگوں کو تو آسانی سے ایک بورڈ اور نصاب پر جمع کیا جا سکتا تھا اور یہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ حکومتی قوانین کی رو سے ہر مدرسہ اور مسجد کی گورنمنٹ کے پاس رجسٹریشن ضروری ہے اور یہ رجسٹریشن ہوتی بھی ہے اور حکومت مسلک پر مبنی مسجد اور مدرسہ کی منظوری دیتی ہے اور یوں بالواسطہ طور پر فرقہ واریت اور مسلک پرستی کو پروان چڑھاتی ہے حالانکہ اگر حکومت چاہتی تو علماء کرام سے یہ منوا سکتی تھی کہ مسجدیں تو اللہ کا گھر ہوتی ہیں انہیں مسلکوں کا گڑھ کیوں بنایا جائے؟ اسی طرح ایک دینی مدرسے میں داخلے کو آخر کیوں کسی خاص مسلک سے وابستہ کیا

آئندہ شمارے میں ان شاءاللہ

- ☆ ایک جدید اسلامی یونیورسٹی کا نقشۂ کار
- ☆ 'اصلاح' کا فلسفہ اور نفاذِ شریعت
- ☆ میڈیا کے لئے ضابطۂ اخلاق
- ☆ دینی مدارس کی خدمت میں ایک استدعا
- ☆ ڈاکٹر محمود احمد غازی ـــــ چند یادیں چند باتیں

جائے اور مسجدوں اور مدرسوں کے نام ایسے کیوں رکھے جائیں جن سے ان کی کسی خاص

مسلک کے ساتھ وابستگی ظاہر اور نمایاں ہوتی ہو؟

ہمارا ادارہ 'تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ' پچھلے دس سال سے اور سارے مسالک کے معتدل مزاج علماء کرام پر مشتمل تنظیم 'ملی مجلس شرعی' پچھلے تین سال سے فرقہ واریت اور مسلک پرستی کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کوئی متعین مسلک رکھنا عیب کی بات نہیں لیکن اجتہادی اور فروعی امور اور افضلیات پر مبنی مسلک/مکتب فکر کو عین دین سمجھ لینا، اس کی طرف دعوت دینا اور حق کو اپنے مسلک میں محدود و محصور سمجھنا اور دوسرے مسالک و مکاتب کی فکر کو مبنی برضلال و گمراہی سمجھنا اور ان کی بیخ کنی کی کوشش کرنا، یہ سب خرابی کا سبب بنتا ہے اور اسی کو ہم فرقہ واریت اور مسلک پرستی کہتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر اور رویے کے حامل لوگ بلاشبہ دینی حلقوں میں بھی موجود ہیں جن کی حوصلہ شکنی اور اصلاح ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام طاقت سے نہیں ہوسکتا بلکہ مناسب تعلیم و تربیت ہی سے رویے آہستہ آہستہ بدل سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری پر زور درخواست ہے کہ سارے مسالک کے سنجیدہ اور معتدل مزاج علماء کرام باہم مل بیٹھیں اور اپنے نظام تعلیم و تربیت سے وہ ساری چیزیں نکال دیں جو مسلک پرستی اور فرقہ واریت کو ابھارتی ہیں اور ایسے اقدامات تجویز کریں جن پر عمل سے یہ جنّ قابو میں آجائے اور بتدریج اصلاح ہوتی چلی جائے۔

ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ علماء کرام ہمارے اس تجزیے پر بھی غور فرمائیں کہ اسلام دشمن بین الاقوامی قوتیں پلاننگ اور منصوبہ بندی سے کمزور مسلمان حکومتوں (جو اپنے اقتدار کے بقاء و استحکام کے لئے مغربی طاقتوں کی حمایت کی متمنی ہوتی ہیں) اور ان کی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے علماء کرام کو باہم لڑاتی ہیں اور ان کے اندر مسلک پرستی اور فرقہ واریت کو پروان چڑھاتی ہیں تاکہ اہل دین مسلم معاشرے میں غیر مؤثر ہوجائیں، دین کی ہوا خیزی ہو اور اسلام کی بجائے مغربی تہذیب اور اس کی اقدار مسلم معاشرے میں پھلے پھولیں لہٰذا یہ علماء کرام اور ان کی جماعتوں اور تنظیموں کے اخلاص اور ان کی فراست کا امتحان ہے کہ وہ حکومتی

اور بین الاقوامی خفیہ ایجنسیوں کی ترغیبات کو خاطر میں نہ لائیں اور ان کے نرغے میں آنے سے بچیں تاکہ باہم لڑائی اور فرقہ واریت سے دین کی ہوا خیزی نہ ہو لہٰذا انہیں چاہئے کہ ہوشیار رہیں اور اپنے میں سے ان کالی بھیڑوں پر نظر رکھیں جو معاملات کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جب تک علماء کرام بیدار مغزی کا ثبوت نہ دیں گے اور اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں کی دست برد سے بچنے کا انتظام نہیں کریں گے اس وقت تک دین کی حقیقی خدمت کرنا اور تفرقہ ڈالنے کی والوں کی چالبازیوں سے بچنا ان کے لئے ممکن نہ ہوگا۔

تعلیم و تربیت

ڈاکٹر محمد امین

ایک نئے رول ماڈل اسلامی اسکول کا خاکہ

اہمیت

اسکول کی تعلیم انسانی شخصیت پر نہایت گہرے اور دیر پا اثرات ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسان کی فطرت، شخصیت، مزاج وغیرہ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو معصوم پیدا کرتے ہیں وہ اس کی فطرت میں نیکی اور برائی دونوں کا مادہ تو رکھ دیتے ہیں لیکن یہ انسان پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ کیسا انسان بن کر ابھرتا ہے اور زندگی میں کیا روش اختیار کرتا ہے؟ اس بات کو نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو (صحیح اسلامی) فطرت پر پیدا کرتے ہیں، یہ والدین ہیں جو اسے یہودی، عیسائی، مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں یہی بات انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مجموعی اسکیم سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو پہلے سے اچھا یا بُرا انسان بنا کر پیدا کرتے تو انسان کا با اختیار ہونا اور دنیاوی زندگی کا امتحان گاہ ہونا بے معنی ہو جاتا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ زندگی میں اچھا یا بُرا انسان بننا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح یا غلط استعمال کرنا ہر انسان کی اپنی صواب دید پر منحصر ہے، جس کا وہ خود ذمہ دار ہے اور اسی پر آخرت میں جزا و سزا کا نفاذ ہوگا۔ اگر ہم اس بنیادی اصول پر ذرا تدبر کریں تو اس سے گئی اہم باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

ا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اگرچہ خود مختار پیدا کیا ہے لیکن ہر انسان کی ابتدائی زندگی کے پندرہ بیس برس ایسے ہوتے ہیں جن میں اس کی زندگی کی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جب تک کہ وہ بالغ ہو کر رشد کو نہیں پہنچ جاتا اور اچھے اور بُرے کی پہچان کر کے خود فیصلے نہیں کر سکتا۔ جو لوگ اس عرصے میں بچے کی شخصیت پر عموماً سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں وہ ہیں والدین اور اس کے اساتذہ۔ اس سے اسکول کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ وہ استاد جس کی

بچہ نقل کرتا ہے، وہ لوازمہ جو بچے کو سکھایا جاتا ہے اور زندگی گزارنے کے وہ طریقے جو بچے کو سکھائے جاتے ہیں یہ سب بچے کو اسکول مہیا کرتا ہے۔

اس سے بالواسطہ طور پر یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اسکول کا کردار بچے کی شخصیت سازی کی حد تک، غیر جانبدارانہ نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہئے۔ ایک مسلمان معاشرے میں مسلمان والدین اور اساتذہ چونکہ اسلام کو ایک نظام حیات (دین) کے طور پر اپنا چکے ہوتے ہیں اس لئے ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو بھی اسی نظام حیات کا اور اسی کے اصولوں اور تقاضوں کے مطابق 'علم' دیں، اس کی تربیت کریں، اور اسی کے مطابق اس کے طرز زندگی کو ڈھالیں۔

۲۔ اپنی ابتدائی زندگی میں بچہ اگرچہ دوسروں کے ہاتھ میں مجبور محض ہوتا ہے لیکن بلوغت اور رشد کو پہنچ جانے کے بعد اور اپنے پیروں پر کھڑا ہوجانے کے بعد وہ اپنی زندگی کا خود مالک و مختار ہوجاتا ہے۔ اگر وہ محسوس کرے کہ والدین اور معاشرے نے اس کو صحیح علم نہیں دیا، اس کی تربیت نہیں کی تو وہ اس علم اور تربیت کو رد کرکے اپنا راستہ بدل سکتا ہے۔ اس وقت نیکی، بھلائی اور معرفت خالق کے وہ داعیات جو اللہ تعالیٰ نے انسانی سرشت میں رکھے ہیں، ابھر کر نمایاں اور مضبوط ہوجاتے ہیں اور انسان اپنی ڈگر بدل لینے پر قادر ہوجاتا ہے۔ غلط تعلیم و تربیت سے یہ داعیات دب ضرور جاتے ہیں لیکن ختم نہیں ہوتے اور انسان اپنی بچی کچھی فطری سلامت روی کا اگر صحیح استعمال کرے تو صراط مستقیم کو پالینا اس کے لئے بہت مشکل نہیں رہتا۔

اس اصول سے بھی بالواسطہ طور پر دو باتوں کا پتہ چلا کہ ایک یہ کہ بعض مغربی ماہرین تعلیم کا یہ کہنا ہے کہ بچے کی ابتدائی زندگی کے پانچ چھ سال اس کی زندگی میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں اور یہ کہ بڑے ہوکر اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور نہیں آسکتی، غلط اور مبالغے پر مبنی ہے۔ اسی طرح بعض مغربی ماہرین تعلیم وسماجیات کا یہ کہنا کہ وراثت کے اثرات باقی ہر چیز پر غالب ہوتے ہیں، بھی غلط اور مبالغے پر مبنی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وراثت کے بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں اور ماحول بھی انسانی بچے پر شدت سے اثر انداز ہوتا ہے لیکن اس کے

باوجود اللہ تعالیٰ نے نظام ایسا رکھا ہے کہ بچہ بلوغت اور رشد کو پہنچنے کے بعد اگر چاہے تو پچھلے سارے اثرات کو رد کر سکتا اور نئے اسالیب اختیار کر کے ان کے مطابق زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبوت کا ادارہ بے معنی ہوتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے بعض اشخاص کو منتخب کر کے انہیں پیغمبر بنا کر انسانی معاشرے میں کھڑا کرتا ہے، وہ بالغ انسانوں کو مخاطب کرتے ہیں اور ان کے اندر تبدیلی لاتے ہیں اور یوں بعض اوقات پورا معاشرہ تبدیل ہوجاتا ہے اور اس کے فکر وعمل میں زبردست انقلابی تبدیلیاں واقع ہوجاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس سے دعوت وتبلیغ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ مسلمان امت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان افراد تک بہرحال پہنچے اور ان تک حق کی دعوت پہنچائے جو غلط تعلیم وتربیت کی وجہ سے ابھی تک حق نا آشنا ہیں، کیونکہ ان میں حق کی طرف پلٹنے کی گنجائش اب بھی موجود ہے۔

تو بات یہ ہورہی تھی کہ مسلمان بچے کی زندگی کے ابتدائی سال انتہائی اہم ہوتے ہیں۔ اس میں والدین پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے ایک تو یہ کہ وہ خود بچے کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کریں اور دوسرے یہ کہ وہ بچے کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب کریں اور ایسے تعلیمی ادارے کا انتخاب کریں جو ان کے بچے کو اسلامی اصولوں کے مطابق تعلیم دے اور اس کی تربیت بھی اسلامی اصولوں کے مطابق کرے تاکہ بچے کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا آسان ہوجائے اور وہ مستقبل میں ایک کامیاب مسلمان اور ایک کامیاب انسان ثابت ہو۔

اسلام میں کامیابی کا تصور یہ ہے کہ مسلمان اپنی دنیاوی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزارے تاکہ وہ آخرت میں اس کی خوشنودی حاصل کر سکے اور اس کے نتیجے میں جنت کی نعمتوں کا مستحق ٹھہر سکے۔ رہی دنیا میں کامیابی تو اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ معاشرہ بھی اللہ کی اطاعت کے راستے پر چل رہا ہو۔ اس صورت میں اللہ کے راستے پر چلنے والا انسان دنیا میں بھی کامیاب رہتا ہے اور اگر معاشرہ اللہ کی اطاعت کے راستے پر نہ چل رہا ہو تو پھر اللہ کے راستے پر چلنے والے انسان کی زندگی مشکل میں گرتی ہے اور برائی سے کشمکش کرتے ہوئے

گزرتی ہے۔ ایسی صورت میں حقیقی کامیاب انسان وہی ہے جو اللہ کے راستے کو نہ چھوڑے اور اسی پر چلتا رہے، خواہ بظاہر دنیا میں وہ ناکام ہی رہے کیونکہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ دنیا عمل کی جگہ ہے نتیجے کی نہیں لہٰذا انسان کی (جو اللہ کا عبد، بندہ اور غلام ہے اور اس کے حکم کے آگے سرِ اطاعت تسلیم کرنے کی وجہ سے ہی مسلمان کہلاتا ہے) کامیابی یہی ہے کہ وہ اپنے آقا و مالک کے حکم کو مانتا رہے، چاہے معاشرہ مانے یا نہ مانے، تا آنکہ وہ اس کے دربار میں پہنچ جائے اور اس کا اللہ اس سے راضی ہوجائے۔

دنیا میں کامیابی کا یہ تصور بالکل غلط ہے کہ آدمی ہر قیمت پر خوشحال زندگی گزارے، اس کے پاس خوب مال و دولت ہو، خواہ یہ حرام ہی کا ہو اور اسلامی اصولوں کی نفی کر کے حاصل ہوا ہو دین فروشی کی قیمت پر حاصل ہوا ہو۔ یہ کامیابی نہیں ہے، اسلام کی رو سے یہ سراسر ناکامی ہے کیونکہ اس کا نتیجہ آخرت کی ناکامی ہے۔ اسلام کی رو سے دنیا میں کامیابی یہ ہے کہ انسان دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارے (خواہ اس نتیجے میں وہ دنیا میں خوشحال ہو یا بد حال، امیر ہو یا غیریب) تاکہ وہ آخرت میں کامیاب رہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان کیلئے ،مسلمان معاشرے کے لئے اسکول کی تعلیم بہت اہم ہے۔ ایک مسلمان کے لئے یہ اس لیے اہم ہے کہ اگر اسکول کی تعلیم کا انتظام صحیح نہیں ہوگا، اسلامی اصولوں کے مطابق اس کے بچے کی تعلیم و تربیت نہیں کرے گا تو بحیثیت مسلمان اس کے بچے کا مستقبل تباہ ہوجائے گا لہٰذا ایک مسلم معاشرے کے لئے انتہائی ضروری اور ناگزیر ہے کہ اس کا اسکول کا نظام صحیح ہو یعنی ایسا ہو جہاں مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو تاکہ ایک ایسی مسلمان نسل پروان چڑھ سکے اور آخرت میں سرخرو ہوسکے۔ اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کی زندگی کی غایت اور نصب العین کیا ہوسکتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ کیا وطن عزیز پاکستان میں ہماری اسکول کی تعلیم مسلمان بچوں کی اس طرح تعلیم و تربیت کا انتظام کر رہی ہے جس سے وہ اپنے رب کی فرماں برداری پر مبنی زندگی گزار

سکیں تا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہوسکیں؟ اس سوال کا جواب ہاں میں دینا ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے ہمارا مؤقف ہے کہ ہمارا نظام تعلیم ناکام ہے اور بحران کا شکار ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم ایک ماڈل اسلامی اسکول کا خاکہ دے رہے ہیں تا کہ جن لوگوں کو تعلیم سے دلچسپی ہے، تعلیم کے اسلامی پہلو سے دلچسپی ہے اور جو چاہتے ہیں کہ ہمارے اسکول اپنی دینی، اخلاقی اور تہذیبی ذمہ داریوں کو ادا کریں، ان کے سامنے ایک واضح شکل آجائے کہ اسکول کی موجودہ تعلیم کو اسلامی نقاضوں کے مطابق کیسے ڈھالا جا سکتا ہے تا کہ ان کے لئے یہ عذر موجود نہ رہے کہ ہمیں پتہ نہ تھا کہ اسلامی نظام تعلیم کیسا ہوتا ہے یا اس کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟

اسکول کی تعلیم کے بنیادی اصول

— اسکول کی تعلیم کی غایت یہ ہے کہ بچے کو ایسا علم دیا جائے اور اس کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ مستقبل میں ایک باعمل مسلمان اور مسلم معاشرے کا مفید شہری بنے، وہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزارے تا کہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی کا مستحق ٹھہرے۔

— اس غرض کے لئے ناگزیر ہے کہ اسے ضروری دینی علم دیا جائے۔ وہ علم جو اسے اس کے رب کی صحیح معرفت عطا کرے اور اسے معرفت نفس سے بہرہ یاب کرے تا کہ اسے کائنات میں اپنی حیثیت اور کردار کا پتہ چل جائے اور ان اعمال و افعال سے وہ باخبر ہوجائے جن پر عمل پیرا ہوکر وہ دنیا کی زندگی اپنے رب کے احکام کے مطابق گزار سکتا ہے اور آخرت میں اس کی خوشنودی کا حق دار ٹھہر سکتا ہے۔

— اسے اس کے نصب العین اور طرز زندگی کا محض علم دینا کافی نہیں بلکہ اس کے مطابق اس کی تربیت بھی ضروری ہے تا کہ وہ اس علم پر عمل کرنا سیکھے اور اپنی زندگی اس علم کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت سے وہ آگاہ ہو اور اس کا خوگر ہوجائے تا کہ اپنے خالق و مالک کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اس کے لئے سہل ہوجائے۔

—— اسے ان علوم وفنون سے باخبر کرنا اور ان کی مہارت دلانا بھی ضروری ہے جو اس دنیا اور معاصر ماحول میں زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں تاکہ وہ ان اسباب دنیا کو بطریق احسن حاصل کر سکے اور انہیں استعمال کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بنائے ہیں۔

—— اس غرض سے ضروری ہے کہ اس کی ایسی تربیت بھی کی جائے کہ اس کی انسانی صلاحیتوں کو جلا ملے۔ اس کے سوچنے کا انداز منظم ہو، اس کی زندگی میں نظم و ضبط ہو، اس کی عادتیں صاف ستھری اور پختہ ہوں، اسے گفتگو کا سلیقہ آتا ہو، اس میں قوت فیصلہ ہو، منصوبہ بندی کر سکتا ہو، عمل کرنے کا محکم عزم رکھتا ہو بلکہ سلیقے سے عمل کر کے نتائج پیدا کر سکتا ہو۔

—— اسے اس قابل بنانا بھی ضروری ہے کہ وہ نہ صرف کشاکش حیات میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے بلکہ وہ علوم فنون میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کرنے کے قابل ہو سکے اور اپنے منتخب کردہ علم و ہنر کی بلندیوں پر پہنچ سکے۔

اسکول کی تعلیم کی نظری اساس

—— مذکورہ اصولی باتوں کو جب ہم اپنے معاصر ماحول میں ایک تعلیمی اسکیم اور تعلیمی ڈھانچے کی شکل دیں گے تو اس کے خدوخال یہ ہوں گے:

—— اسکول کے نصاب کا ایک بڑا حصہ دینی تعلیم پر مشتمل ہوگا۔

—— عقلی اور مشاہداتی علوم اسلامی ورلڈ ویو کے تناظر میں مدون کیے جائیں گے۔

—— دین و دنیا کے علوم یکجان ہوں گے اور ان میں مغایرت نہ ہوگی (تعلیمی ثنویت نہ ہوگی)۔

—— مسلم تعلیم کی غایب تربیت وتزکیہ یعنی تعمیر سیرت و کردار ہے۔

—— مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت میں کسی غیر مسلم اور دین مخالف فکر وتہذیب (جیسے مغربی تہذیب یا ہندوتہذیب) کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا۔

اسکول کی تعلیم ۔ بعض عملی پہلو

ان اصول ونظریات کو لے کر جب ہم عملی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو لگتا ہے ہم کسی دوسری دنیا میں پہنچ گئے ہیں۔ اک جہانِ دگر جس کی فضائیں مختلف ہیں۔ اسلام اور اس کے اصول یہاں، غریب' ہیں انوکھے، عجیب بلکہ دنیانوسی، قدامت پرستی پر مبنی اور نا قابل عمل۔ سچ فرمایا صادق ومصدوق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہ اسلام جب آیا تو 'غریب' (یعنی اوپرا، نامانوس، نا قابل عمل) تھا اور قیامت سے پہلے پھر 'غریب' ہوجائے گا۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کی حد تک (اور اس وقت وہی زیر بحث ہے) وہ واقعی 'غریب' ہو چکا ہے۔ عام مسلمان تو رہے ایک طرف بہت سے دیندار، اصحاب جبہ وقبا، دین کے داعی اور نفاذ اسلام کے علمبردار قابل عمل نہیں سمجھتے اور اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تاہم اس میں ہم جیسے آشفتہ سروں کے لئے اک حرف تسلی بھی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا **'فطوبی للغربا'** یعنی آپؐ نے ان لوگوں کی تحسین فرمائی اور ان کے لئے دعا فرمائی جو اسلام کی اس 'غربت' کو دور کرنے کی کوشش کریں گے اور اسے مانوس، محبوب اور قابل عمل بنانے کی جدوجہد میں خود بھی 'غریب' بن جائیں گے۔

اے اللہ! ہمارا شمار بھی ان 'غریبوں' میں کرنا۔

چنانچہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان عملی مشکلات کا ایک تجزیہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ ہیں کیا اور ان کی حقیقت کیا ہے؟

مشکلات

۱۔ ان مشکلات کی بنیادی وجہ مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ اور مسلمانوں کی اس سے مرعوبیت اور اس کی بالادستی کے آگے سر جھکا دینا اور اسے قبول کر لینا ہے (حکومتوں کی سطح پر بھی اور عوام کی سطح پر بھی) اور اصلاحی قوتوں کی کمی اور کمزوری جو امت کو اس گرداب سے ابھی تک نکال نہیں سکیں۔ اصولاً ہمیں پہلے مشکلات بیان کرنی چاہئیں تھیں اور پھر ان مشکلات کے سبب کا کھوج لگانا چاہئے تھا لیکن ہم نے اس کے برعکس اس لئے کیا ہے کہ ان مشکلات کی تفہیم میں آسانی

رہے۔ اس بنیادی مشکل نے جن بہت سی مشکلات اور غیر اسلامی مظاہر کو جنم دیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

—— مادہ پرستی: یعنی دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ لہٰذا یہاں کی آسائشیں اور زیادہ سے زیادہ مادی وسائل (مال و دولت) کا حصول ہی انسان کا ہدف ہونا چاہیئے۔

—— کمرشلزم: تعلیم ایک انڈسٹری اور کاروبار ہے اور کاروبار کا مقصد ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ نفع کمانا یعنی طلبہ سے زیادہ سے زیادہ فیسیں وصول کرنا اور ان پر کم سے کم خرچ کرنا۔

نصاب تعلیم و تربیت: وہ مال بیچو جس کی مارکیٹ میں مانگ ہو جس کی مارکیٹ ویلیو زیادہ ہو تا کہ زیادہ سے زیادہ گاہک آئیں اور زیادہ سے زیادہ منافع ملے۔

ان اصولوں کو تسلیم کرنے کے بعد تعلیم میں کہاں کا اسلام اور کہاں کی اسلاح؟

انگلش میڈیم کا بورڈ لگاؤ تا کہ طلبہ زیادہ آئیں اور فیس زیادہ ملے۔ آکسفورڈ کی کتابیں لگواؤ تا کہ والدین خوش ہوں اور کتابوں کی خرید میں کمیشن بھی زیادہ ملے۔ پینٹ شرٹ اور نکٹائی کو یونیفارم بناؤ تا کہ والدین سمجھیں اچھا ماڈرن ماحول ہے۔ اگر اردو میڈیم کا بورڈ لگایا اور شلوار قمیض پہننے کا اسلوب اپنایا تو لوگ کہیں گے مولویوں کا سکول لگتا ہے۔ کون اپنے بچے بھیجے گا اور بھیجے گا بھی تو کتنی فیس دے گا!

چلئے جناب! اسلام اور پاکستانیت رخصت اور مغربی تہذیب زندہ باد۔

۲۔ مذکورہ بالا صورت حال نے اس مشکل کو جنم دیا ہے کہ ایک اصلاحی یا ماڈل اسلامی اسکول کیسے کھلے؟ ظاہر ہے حکومت تو اس ساری مصیبت کی ذمہ دار ہے لہٰذا اسے اس صورت حال کی اصلاح سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ پرائیویٹ سیکٹر میں اگر کوئی اس طرح کے اصلاحی پراجیکٹ میں سرمایہ کاری کرے گا تو اغلب یہ ہے کہ اسے مالی لحاظ سے نقصان ہو گا جب تک کہ لوگوں کا رجحان (trend) نہ بدلے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ لوگوں کا رجحان بدلنے کے لئے اور رجحان بدلنے تک خسارے کی سرمایہ کاری کون کرے گا؟ کئی لوگ جنہوں نے اسلامی پہلو سامنے

رکھتے ہوئے اسکول کھولے تھے، وہ مالی دباؤ نہ برداشت کر سکے۔ compromises کا شکار ہوگئے اور رفتہ رفتہ ان کا سکول بھی دوسرے سکولوں کی طرح انگلش میڈیم، آکسفورڈ کی کتابیں، او اور اے لیول، پینٹ شرٹ، نکٹائی اور V کی پٹی تک آ گیا بلکہ اب تو بے شمار دیندار لوگ اس جھنجھٹ میں پڑتے ہی نہیں، ابتداء ہی انگلش میڈیم سے کرتے ہیں۔

۳۔ اس سطح پر پہنچ کر بعض لوگوں کے ضمیروں نے مدافعت شروع کردی ''انگلش میڈیم کون سا حرام ہے؟'' ''ہم انگلش میڈیم کے ذریعے قوم کے انگریزی سے مرعوب طبقے تک اسلام پہنچا رہے ہیں''۔ او اور اے لیول میں کیا برائی ہے؟ ایک امتحان ہی تو ہے''۔ ''آکسفورڈ کی کتابوں کا معیار پاکستانی کتابوں سے سچ مچ بہت اعلیٰ ہے''۔ اسے کہتے ہیں 'عذر گناہ بدتر از گناہ' یا جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے یا بقول اقبال ؎

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

۴۔ بعض علماء نے جدید سکولوں کو انڈسٹری سمجھ کر اس میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے اور بعض نے خود او اور اے لیول کے سکول کھولنے شروع کر دیے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس تو اتنے وسائل نہیں کہ دینی مدارس ہی چلائیں ہم جدید تعلیم کے اسکول کیسے چلائیں؟ یا حفظ قرآن کے ساتھ انگلش میڈیم اور او اے لیول کا اہتمام کر کے ہم نے قدیم وجدید کی تعلیم دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے ذمے اصلاح کرنا تھا، جو دین کے ستون اسلام کے چمپئن ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اسلامی انقلاب اور نفاذ اسلام کے نعرے لگاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

چیلنجز (کرنے کے کام)

۱۔ پرائیویٹ سیکٹر میں اصلاحی نقطۂ نظر سے ماڈل اسلامی سکول کھولے جائیں۔ ہم دوبارہ عرض کرتے ہیں سرمایہ کاری کے لئے نہیں، روٹی کمانے کے لئے نہیں بلکہ اصلاح کرنے کے لئے۔

۲۔ علوم کی اسلامی تشکیل نو کے لئے ادارہ قائم کیا جائے۔ یہی ادارہ اسلامی نقطۂ نظر سے سکول سطح کے نصابات بھی تیار کرے۔ نصاب سازی کے وقت یہ پیش نظر نہ ہو کہ ''کتاب حکومت پاکستان کے نصاب کے عین مطابق ہے'' بلکہ پیش نظر یہ ہو کہ اسلامی تقاضے پورے ہوں۔ یہ ادارہ بھی اصلاح کے لئے ہو اور اس کے کوئی کمرشل مقاصد نہ ہوں۔

۳۔ یہی ادارہ 'اسلامی تربیت' پر بھی تحقیق کرے اور تربیتی پیکج تشکیل دے۔

۴۔ اساتذہ کی اسلامی تربیت کے لئے بھی ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

۵۔ مذکورہ بالا اداروں کے لئے مادی وسائل مہیا کیے جائیں اور ایسے افراد اور ادارے ڈھونڈے جائیں جو اس کام کو 'دین' کا کام سمجھ کر کریں، ان میں اس نقطۂ نظر سے سرمایہ کاری کریں کہ منافع—— کئی گناہ زیادہ منافع —— اللہ کے ہاں سے ملے گا۔ ایسے افراد اور ادارے نہ ہوں تو تیار کیے جائیں، قائم کیے جائیں۔

۶۔ پہلے اس طرح کا ایک ماڈل اسکول قائم کیا جائے پھر اس طرح کے کئی ادارے قائم کیے جائیں اور پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیمی اداروں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اس ماڈل کی پیروی کریں۔

۷۔ لیکن یہ ذہن میں رہے کہ بات صرف ایک اسکول کھولنے کی نہیں بلکہ علی گڑھ اور دیوبند کے مقابلے میں یا ان دونوں کے حسنات کو جمع کر کے ایک نیا ماڈل کھڑا کرنے کی ہے، تعلیمی ثنویت کے خاتمے کی ہے، مغربی تہذیب کی فکری بالدستی کو رد کر کے خالص اسلامی اصولوں پر ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی ہے اور یہ بلاشبہ فی الوقت ہاتھ میں انگارہ پکڑنے والی بات ہے ؎

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
پھر کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ہے کوئی جواں مرد جو اس آگ میں کودنے کے لئے تیار ہو؟

آسانیاں

اگر کوئی تعلیم کے شعبے میں کام کرنے کا ارادہ کر لے تو جہاں اس میں بہت سی مشکلات ہیں وہاں آسانی کے ایک دو پہلو بھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلم معاشرہ، یہودیوں کی فیملی پلاننگ کی کوششوں کے باوجود، ان کے قابو میں نہیں آیا اور ہمارے یہاں شرح پیدائش کافی حوصلہ افزا ہے لہٰذا تعلیم حاصل کرنے والے نونہالوں کی کمی نہیں۔ جتنے لوگوں نے بھی اسکول کھولے ہیں سب کے سب مصروف ہیں کیوں کہ معاشرے میں بچوں کی تعداد ماشاءاللہ کافی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اصلاحی اسکول کھولے گا تو توقع ہے کہ طلبہ وطالبات کے قحط کا اسے سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

دوسرے یہ کہ پاکستانی معاشرہ اس وقت معاشی لحاظ سے کئی طبقات میں منقسم ہے۔ انتہائی غریب طبقہ، نچلا متوسط طبقہ، متوسط طبقہ، اعلیٰ متوسط طبقہ، امیر طبقہ،، بہت امیر طبقہ۔ لہٰذا ان طلبہ کے لئے بھی اسکولوں کی ضرورت ہے جہاں بچے برہنہ پا آئیں گے اور ان کے جسم پر کافی کپڑے نہ ہوں گے اور ایسے بچوں کے لئے بھی جنہیں نئے ماڈل کی کار میں شوفر چھوڑ نے آئے گا لہٰذا جو لوگ اصلاحی اسکول کھولنا چاہیں وہ اپنی مالی وسعت کی حد تک ان طبقوں میں سے جس طبقے کے لئے چاہیں اسکول کھول سکتے ہیں۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ طبقے کا اسکول چلانے کی ضروریات اور ماحول الگ ہوگا۔ اساتذہ بھی مختلف ہوں گے، ان کی تنخواہیں بھی مختلف ہوں گی، فرنیچر بھی الگ ہوگا، ایریا بھی مختلف ہوگا، کتابیں بھی مختلف ہوں گی اور جتنے اونچے طبقے کے لئے سکول کھولیں گے کمپرومائزز بھی زیادہ ہوں گے تاہم اگر نیت صاف ہو اور عزم محکم ہو تو کام کی گنجائش ہر سطح پر ہے اور ہر سطح پر کام ہونا چاہیے بلکہ امیر طبقوں کے لئے زیادہ کام کی ضرورت ہے کہ یہی لوگ کل معاشرے میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ یوں ایچی سن کے مقابلے میں ایک اسلامی ایچی سن اسکول کھلنا چاہیے اور ضرور کھلنا چاہیے بشرطیکہ اس کے لئے وسائل ہوں۔ اللہ کرے کچھ لوگوں کو اس طرح کا کام کرنے کا خیال آئے اور وہ اس سطح کا کام کریں اور اس کے اچھے نتائج معاشرے کے لئے نکلیں۔

یہاں یہ سوال اٹھانا بے معنی ہے کہ اسلام میں اس طرح کے طبقات کی کیا حیثیت ہے یا یہ

کہ اسلام تو مساوات کا قائل ہے۔ یہ ایک عملی حقیقت ہے کہ معاشرہ اس وقت ان طبقات پر مشتمل ہے (جس میں ہمارا کوئی کردار نہیں) اور جو بھی دعوتی یا اصلاحی نقطۂ نظر سے کام کرنا چاہے اسے ان ناگزیر عملی حقائق کو سامنے رکھنا ہوگا۔

مجوزہ سکول کی تفصیلات

ان تمہیدی گزارشات کے بعد آیئے اصل موضوع کی طرف کہ اگر صحیح اسلامی تقاضوں کے مطابق آج ایک ماڈل اسکول قائم کرنا ہوتو اس کا نقشہ کار کیا ہوگا؟

اس کے جواب میں کئی نقشے بن سکتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک صحیح اسلامی تقاضوں کے مطابق آج اگر ایک اسکول قائم کرنا ہوتو اس کا ناک نقشہ کچھ یوں ہوگا:

دورانیہ

- پرائمری (اعدادیہ) ٦ سال، بشمول ابتدائی ایک سال تمہیدیہ (prep) کا
- مڈل (متوسط) ۳ سال
- سیکنڈری (ثانویہ) ۴ سال (موجودہ صورت میں میٹرک اور ایف اے)

۱۔ پرائمری کی تمہیدیہ میں داخلہ پانچ سال کی عمر میں ہوگا۔

۲۔ پانچ سال سے کم عمر بچوں کی تربیت والدین کریں گے کہ یہ ان کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے(۱) اور ویسے بھی ہمارے معاشرے میں ماؤں کی ایک بہت بڑی اکثریت گھر ہی پر ہوتی ہے یوں ہر سکول میں نرسری، پلے گروپ اور ڈے کیئر کی ضرورت نہیں۔ بڑے شہروں میں ملازمت پیشہ ماؤں کے لئے ایسے چند ادارے (بطور استثنٰی) قائم کیے جاسکتے ہیں۔

کمیونٹی ایجوکیشن

والدین خصوصاً مائیں چھوٹے بچوں کو کیسے پالیں اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی تربیت کیسے کریں؟ اس کے لئے وسیع پیمانے پر رسمی اور غیر رسمی تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔لٹریچر چھاپا جائے، اسے نصاب کا حصہ بنایا جائے، ریڈیو ٹی وی سے خصوصی پروگرام نشر کیے جائیں، ہر گاؤں، قصبے، محلے، وارڈ کی سطح پر اس مقصد کے لئے والدین کی تربیت کے لئے

مختصر کورسز ہر سال رکھے جائیں۔ یہ کورسز شام کے وقت سکولوں میں بھی رکھے جا سکتے ہیں، ہسپتالوں کے زچہ بچہ وارڈ ایسے کورسز ماؤں کے لئے رکھ سکتے ہیں۔ اس طرح کے کورسز کمیونٹی ایجوکیشن کا مستقل حصہ ہونا چاہئیں۔ کمیونٹی ایجوکیشن مرکزی اور صوبائی محکمہ تعلیم کا ایک باقاعدہ شعبہ ہونا چاہیئے جس کے پاس وافر مالی وسائل ہوں۔

ڈراپ آؤٹ کی شرح

تعلیمی اسکیم بناتے وقت جو چیز لازماً ہمارے پیش نظر رہنی چاہیئے وہ ڈراپ آؤٹ کی مندرجہ ذیل خوفناک شرح ہے:

۔ پرائمری کی تکمیل تک	50فیصد
۔ مڈل کی تکمیل تک	70فیصد
۔ ثانویہ کی تکمیل تک	90فیصد

اس لئے ضروری ہے کہ بنیادی علوم اور مہارتیں (جہاں تک ذہنی، نفسیاتی اور تعلیمی طور پر ممکن ہو) جلد سے جلد بچوں تک منتقل کی جائیں، نیز ڈراپ آؤٹ کی اس شرح کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ سوچ اور عمل کا ایک مستقل موضوع ہے جس پر تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں۔ مختصر طور پر اس کے لئے ضروری ہے کہ:

۱۔ غریب عوام کی معاشی حالت بہتر بنائی جائے۔

۲۔ ان کا تعلیمی اور سماجی شعور بلند کیا جائے۔

۳۔ اسکول کی تعلیم عام اور بلا معاوضہ ہونی چاہیئے بلکہ کتابیں اور یونیفارم بھی بلا قیمت ملنا چاہیئے اور حوصلہ افزائی و ترغیب کے لئے اقدامات کیے جانے چاہئیں۔

۴۔ مذکورہ اقدامات کے بعد اسکول کی تعلیم کو لازمی اور جبری قرار دے دیا جائے۔

۵۔ ہر محلے میں اسکول ہونے چاہئیں تاکہ چھوٹے بچوں کو دور نہ جانا پڑے۔

۶۔ لازمی انگریزی ہر تعلیمی سطح پر حتماً ختم کردی جائے۔

۷۔ دینی تعلیم خصوصاً قرآن کی تعلیم اسکول کی ابتدائی سطح پر نصاب کا حصہ ہو اور اس پر مؤثر طریقے سے عمل درآمد ہو، اتنا مؤثر کہ والدین اس پر مطمئن ہوجائیں اور انہیں اس کے لئے اپنے طور پر متبادل انتظامات نہ کرنا پڑیں۔ یوں لوگ قرآن کی تعلیم کی خاطر بھی بچے کو سکول بھیجنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔

لسانی پالیسی

اردو:

۱۔ ذریعۂ تعلیم اردو ہوگی۔] مقامی زبانیں جہاں ترقی یافتہ ہیں وہاں انہیں پرائمری میں ذریعۂ تعلیم بنایا جا سکتا ہے [لیکن اس صورت میں بھی اردو بطور ایک لازمی مضمون کے پڑھائی جائے گی۔

۲۔ اسکول کی سطح پر اردو کی تدریس بطور ایک لازمی مضمون کے ہوگی تاہم ثانوی سطح پر اس کا حجم (Weightage) کم کردیا جائے گا۔

عربی:

۱۔ پہلے تین سال (بشمول تمہیدیہ) یہ صرف صحیح مخارج کے ساتھ قرآن حکیم پڑھنے (ناظرہ) تک محدود ہوگی۔

۲۔ تیسری جماعت سے اس کی دوسری مہارتوں کی تدریس بھی شروع ہوجائے گی لیکن یہ تدریس قرآن حکیم سے مربوط ہوگی تاکہ جو طلبہ پرائمری کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکیں ان کے لئے بھی قرآن فہمی کی کچھ بنیاد مہیا ہوجائے۔

۳۔ یہ تمہیدیہ سے ثانوی تک لازمی ہوگی۔ ثونوی پاس کرنیوالے طلبہ لازماً اس قابل ہوں کہ قرآن حکیم پڑھ اور سن کر سمجھ سکیں۔

۴۔ عربی آسان انداز میں گرامر اور طریق مباشر (Direct Method) کے امتزاج سے پڑھائی جائے۔ قواعد رٹنے اور استعمال نہ کرنے کا پرانا طریقہ ترک کردیا جائے۔

انگریزی

۱۔ یہ چھٹی جماعت سے اختیاری ہوگی۔

۲۔ بطور اختیاری مضمون یہ اتنے مؤثر اور سائنٹفک انداز سے پڑھائی جائے کہ اعلیٰ ثانوی تک انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو یونیورسٹی میں سائنس و بزنس وغیرہ پڑھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ مڈل اور ثانوی کی سات سالہ تدریس میں اس معیار کا حصول بسہولت ممکن ہے۔ موجودہ صورت حال کہ بچہ نرسری سے انگریزی پڑھنا شروع کرتا ہے اور بی اے تک یہ لازمی ہے لیکن اکثر گریجوایٹ صحیح انگریزی میں درخواست تک نہیں لکھ سکتے، شرمناک اور ناقابل قبول ہے۔

۳۔ دینی علوم کے تخصص والے طلبہ کے لئے انگریزی پڑھنا لازمی ہوگا۔

۴۔ اس کے علاوہ جو لوگ انگریزی پڑھنا چاہیں یا اپنی انگریزی بہتر بنانا چاہیں ان کے لئے خصوصی اکیڈیمیاں پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر دونوں میں ہونی چاہئیں۔

فارسی:

۱۔ حصہ ثانوی میں اختیاری مضمون

۲۔ اردو ادب اور دینی علوم کے تخصص والے طلبہ کے لئے ثانویہ میں اس کا ابتدائی مطالعہ لازمی ہوگا۔

دینی علوم کی تدریس

اسکول کے نصاب میں دینی علوم کی تدریس اور دینی تصورات کو جزو نصاب بنانے کے تین طریقے ہیں:

۱۔ 'مطالعۂ قرآن و حدیث' کے نام سے ایک مضمون (Subject) کا اجراء شروع سے آخر تک

۲۔ متفرق دینی تعلیمات پر مشتمل 'اسلامیات'، یا 'دینیات' کا ایک جامع کورس (موجودہ کورس ناقص ہے)

۳۔ دیگر مضامین خصوصاً عمرانی علوم (Social Sciences) میں اسلامی تصورات کا سمویا جانا

۱۔ مطالعۂ قرآن وحدیث

یہ مضمون تمہید یہ سے لے کر ثانویہ کے آخری درجے تک لازمی ہوگا۔ مقصود اس سے قرآن و حدیث کی نصوص کا مطالعہ ہے جو دین اسلام کے بنیادی مآخذ ہیں۔ اس کا نصاب کچھ یوں ہوگا:

مطالعۂ قرآن

پرائمری

۔ ناظرہ: قرآن حکیم مکمل (صحیح مخارج کے ساتھ)

۔ حفظ: آخری آدھا پارہ

۔ ترجمہ: آخری آدھا پارہ اور پہلا پارہ

مڈل

۔ حفظ: آخری پارے کا نصف اول و اہم سورتیں (یٰسین، ملک، بقرہ وحشر کی آخری آیات وغیرہ)

۔ ترجمہ: پارہ ۲ تا ۵ نیز آخری پارے کا نصف اول و اہم سورتیں

ثانوی:

حفظ: ۲۹واں پارہ
ترجمہ: پارہ ۶ تا ۲۹
تفسیر: منتخب سورتوں کی تفسیر

مطالعۂ حدیث

پرائمری: ہر کلاس میں چالیس حدیثیں مع ترجمہ و حفظ، جو مختصر بھی ہوں اور بامعنی بھی اور عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات پر مشتمل ہوں۔

مڈل: ریاض الصالحین مع ترجمہ ومختصر تشریح

ثانوی: مشکوٰۃ مع ترجمہ ومختصر تشریح

۲۔ دینیات/ اسلامیات

اس سے مقصود یہ ہے کہ دین کے مختلف شعبوں کے بارے میں مرتب معلومات طلبہ تک

پہنچ سکیں۔ اس کی ایک تدریج قائم کی جا سکتی ہے۔ چونکہ اس پر کافی کام ہو چکا ہے اس لئے ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ہر تعلیمی مرحلے کے تفصیلی نصاب کا یہاں ذکر کریں۔ البتہ موجودہ نصابات میں بعض اضافوں کی نشان دہی ضروری ہے:

سیرۃ النبی: حصہ پرائمری، مڈل اور ثانوی تینوں میں سیرت النبیؐ پر خاطر خواہ مواد ہونا چاہئے۔

سوانح: صحابہ، اسلاف اور بزرگوں کے حالات: کرامتوں اور قصے کہانیوں کی بجائے ٹھوس معلومات جو سبق آموز ہوں۔

مطالعۂ امت: امت کی تاریخ اور جغرافیہ بشمول امت مسلمہ کے موجودہ حالات

عقائد: بنیادی اسلامی عقائد اور ان کی اہمیت و زندگی پر اثرات (اختلافی مباحث سے صرف نظر)

فقہ: عبادات اور معاملات کے بارے میں اسلامی احکام خصوصاً وہ احکام جو ہر شخص کی ضرورت ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اوامر و نواہی، حلال و حرام، نکاح و طلاق اور جدید مسائل وغیرہ (اختلافات سے صرفِ نظر)

اصول فقہ: ثانویہ کے آخری دو سالوں میں اصول فقہ کا تعارفی مطالعہ

مسلم تہذیب: حصہ ثانویہ میں اسلام بطور طرز زندگی، نظریۂ حیات اور تہذیب و تمدن

مغربی تہذیب: حصہ ثانویہ میں مغربی تہذیب کے اصول و مبادی اور ان کا اسلام کے خلاف اور متضاد ہونا۔

نماز و اذکار: نماز باترجمہ (بشمول دعائے قنوت، نماز جنازہ وغیرہ) اور مسنون و قرآنی دعائیں یاد کرنا اور ان پر عمل کرنا بھی حصہ پرائمری کے نصاب کا حصہ ہوگا۔

تخصصات

۱۔ حصہ پرائمری میں سارا نصاب سب کے لئے یکساں ہوگا۔

۲۔ مڈل اور ثانویہ میں نصاب کا ایک حصہ مشترک ہوگا جیسے مطالعۂ قرآن و حدیث،

اسلامیات، اردو، سائنس، ریاضی وغیرہ اور دوسرا حصہ تخصص سے متعلق ہوگا۔

حصہ مڈل سے تخصص کا آغاز ہوجائے گا جیسے پہلے عموماً آرٹس اور سائنس کا ہوتا تھا۔ اس میں علاوہ دیگر تخصصات کے اب ایک اضافہ اسلامی علوم کے تخصص کا ہوگا تاکہ جو لوگ ثانویہ کے بعد دینی علوم میں تخصص کرنا چاہتے ہیں انہیں مضبوط بنیاد فراہم ہوجائے۔

حصہ مڈل اور ثانوی میں دینی علوم کے تخصص کے طلبہ کو اس سات سال کے عرصے میں عربی صرف و نحو میں طاق کردیا جاے گا (بشمول بولنے اور لکھنے کی مشق کے) اور قرآن و حدیث اور فقہ کے بنیادی علوم پڑھادیے جائیں گے تاکہ وہ اگلے مرحلے میں علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کے اہل ہوجائیں۔

پیشہ ورانہ تربیت

پاکستان میں ڈراپ آؤٹ کی جس شرح کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر غربت کی شرح بھی پیش نظر رکھی جائے کہ 50 فیصد عوام انتہائی غربت کی زندگی گزارتے ہیں جنہیں ڈھنگ سے نان جویں بھی میسر نہیں اور لوگ بھوک سے خودکشیاں کررہے ہیں تو ان حالات میں لوگوں کو وسائل رزق مہیا کرنے کے قابل بنانے کے لئے غیر معمولی اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

ا۔ جو بچے غربت کی وجہ سے پرائمری کے بعد تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے انہیں پرائمری کے آخری سال میں کسی ایک سادہ ہنر جیسے کارپنٹر، میسن، الیکٹریشن اور موٹر مکینک وغیرہ کی تربیت دے دی جائے۔ اور اس مقامی اور بین الاقوامی قانون سے صرف نظر کرلیا جائے کہ نابالغ بچے مزدوری نہیں کرسکتے۔ قانون انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بنائے جاتے ہیں اور بھوک اس کائنات کی سب سے بڑی تلخ حقیقت ہے اور پیٹ بھر کھانا ہر انسان کا بنیادی ترین حق ہے۔ لہٰذا جب تک ہمارے معاشی حالات نہیں بدل جاتے بجائے اس کے کہ ہمارے بچے 'غیر قانونی' طور پر مزدوری کریں اور سکول کا منہ نہ دیکھیں، کیا یہ مناسب نہیں کہ

ہم اس صورت حال کو قبول کریں اور اضطراری حالات میں اسے قانونی شکل دے لیں۔

۲۔ اسی طرح حصہ مڈل میں کیا جائے کہ جو بچے مڈل کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکتے ہوں ان کے لئے آخری سال آدھا وقت تعلیم کو دیا جائے اور آدھا پیشہ وارانہ تربیت کو اور بچے کو کوئی موزوں ہنر سکھا دیا جائے۔

۳۔ اسی طرح جو بچے ثانویہ کے بعد تعلیم نہ جاری رکھ سکتے ہوں ان کے لئے آخری سال پیشہ وارانہ تربیت کا انتظام کیا جائے جن میں مذکورہ بالا پیشوں کے علاوہ کمپیوٹر، کامرس، چھوٹے کاروبار وغیرہ کی تربیت شامل ہو۔

۴۔ جن بچیوں کے گھریلو حالات مخدوش ہوں انہیں پرائمری، مڈل اور ثانویہ کے آخری سال مذکورہ بالا خطوط پر سلائی، کڑھائی، بُنائی (Knitting)، گڑیاں اور دوسرے کھلونے بنانا اور ایسے ہی دوسرے ہنر سکھا دیے جائیں تاکہ وہ گھر بیٹھے ایسے کام کرسکیں جن سے وہ عزت کی روٹی کما سکیں۔

۵۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پرائمری، مڈل اور سیکنڈری پاس طلبہ کو ہنر سکھانے کے لئے قصبات اور چھوٹے بڑے شہروں میں کثرت سے اکیڈیمیاں کھول دی جائیں۔

یہ مضمون تعلیم و تربیت سے متعلق ہے اور معاشیات یا سیاسیات اس وقت زیر بحث نہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمارے نااہل حکمران اس چیز کے ذمہدار ہیں کہ مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اور وہ یہودیوں سے قرض لے لے کر اپنے اللے تللے میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی داخلی معاشی پالیسیاں ظالمانہ اور احمقانہ ہیں۔ ہمارے سرمایہ دار عموماً ظالم اور علماء و دینی جماعتوں کو کسی متحدہ اجتماعی کوشش پر نہیں ابھارتا اس کے باوجود کہ مسلمان بھوک کی وجہ سے خودکشیاں کر رہے ہیں؟ کیا اسلام صرف قرآن حفظ کرنے، بخاری اور قدوری پڑھانے اور اسلام کے لئے اقتدار میں آنے کے لئے الیکشن لڑنے کا نام ہے کہ غیر حکومتی سطح پر کوئی بھی کوشش اس صورت حال کی اصلاح کے لئے نہیں ہورہی۔ جب لوگوں کو پیٹ بھر دو وقت کی روٹی نہ ملے تو کہاں کی تعلیم اور کہاں کی تربیت؟

کھیلیں اور سپہ گری

۱۔ سکول کی ہر سطح پر روزانہ ڈرل ہونی چاہیئے۔

۲۔ کھیلوں کا منظم سلسلہ ہونا چاہیئے۔ غیر ملکی کھیلوں کی بجائے مقامی کھیلوں کو ترجیح دی جائے۔ ممکن ہے ہمارا یہ جملہ بعض لوگوں کو عجیب لگے لیکن عام لوگ غور نہیں کرتے۔ گلوبلائزیشن ایک سازش ہے مغربی تہذیب وتمدن کی بالا دستی کی۔ دیکھیے:

۔ آپ وہی لباس پہنتے ہیں جو اہل مغرب پہنتے ہیں
۔ وہ برگر کھاتے ہیں، آپ بھی برگر کھاتے ہیں۔
۔ وہ بھی سر درد ہونے پر اسپرین کھاتے ہیں، آپ بھی
۔ وہ بھی کرکٹ کھیلتے ہیں، آپ بھی
۔ وہ بھی انگریزی پڑھتے ہیں، آپ بھی
۔ وہ بھی اپنے پیسے بنک میں رکھتے ہیں، آپ بھی
۔ وہ بھی ۔۔۔آپ بھی
۔ وہ بھی ۔۔۔آپ بھی

سوال یہ ہے کہ آپ کی شناخت کیا ہے؟ آپ ان سے مختلف کیسے ہیں؟ آپ کا ذہن، آپ کا تمدن اور آپ کی تہذیب اگر ایک مستقل حیثیت اور شناخت رکھتی ہے تو وہ کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟ قربان جاؤں حضرت عمرؓ کی فراست پر۔ وہ ذمیوں کو مسلمانوں جیسا لباس پہننے کی اجازت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ان کی کوئی عورت اگر مسلمانوں عورتوں کی طرح چادر حجاب وغیرہ کرتی تھی تو اس سے بھی روکتے تھے لیکن مصیبت یہ ہے کہ آج جو لوگ ہمارے حکمران ہیں وہ حضرت عمرؓ کی خاک پا کے برابر بھی عقل نہیں رکھتے۔ اور شائد اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ جیسے ہم ویسے ہمارے حکمران ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا جو لمبا ہو گیا، واپس اپنے موضوع پر آتے ہیں۔

۔ کھیلوں میں مقابلے کی فضاء پیدا کی جائے ،حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دیے جائیں۔
۔ حصہ ثانوی کے آخری سال سب طلبہ کو، بلا استثنیٰ،فوجی تربیت دی جائے تاکہ خدانخواستہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے ملک کی اور اپنی جان، مال،عزت کی حفاظت کرسکیں کہ جہاد ہمارے دین کا ستون ہے۔

بچیوں کی تعلیم

۱۔ طالبات کے اسکول الگ ہونے چاہئیں
۲۔ ان میں اساتذہ اور انتظامی عملہ بھی خواتین پر مشتمل ہونا چاہیے۔
۳۔ ان کا نصاب طلبہ سے الگ ہونا چاہیئے اور اس میں خواتین کے متعلق امور کونمایاں جگہ دی جانی چاہیئے
۴۔ ان کی کھیلیں اور ہم نصابی سرگرمیاں بھی ان کی صنفی حیثیت کے مطابق ہونی چاہئیں۔
۵۔ لڑکیوں کی تعلیم کو بھی لڑکوں کی تعلیم جتنی اہمیت دینی چاہیئے بلکہ اس سے زیادہ کیوں کہ ایک لڑکی کوتعلیم دینے کا مطلب ہے ایک خاندان کوتعلیم دینا۔
۶۔ خواتین اساتذہ کی تربیت کے اداروں کا نصاب بدل کر اسلامی نقاضوں کے مطابق کیا جائے اور زیر تربیت خواتین اساتذہ کی نظریاتی تربیت اس کو درس کا اہم جزو ہو۔
۷۔ خواتین اساتذہ کا لباس سادہ اور ساتر ہونا چاہیئے تاکہ طالبات بھی ان کی پیروی کریں۔
۸۔ گرلز اسکولوں کے ماحول کوخرافات سے بچایا جائے تاکہ بچیوں کی فطری حیاباقی رہے اور ان کو یاد رہے کہ ان کا ماٹوہے''بتولے باش'' یعنی وہ حضرت فاطمہؓ کی سیرت و کردار کو آئیڈیالائز کریں۔
۹۔ ایک مسلمان ماں کی غالباً سب سے بڑی دینی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نسل نو کی اسلامی تربیت کرے لہٰذا اس چیز کو،موزوں تعلیمی سطح پرلڑکیوں کی تعلیم وتربیت اورنصاب کا لازمی جزو ہونا چاہیئے کہ آج کی یہی لڑکیاں کل کی مائیں ہوں گی۔ اس مضمون کو زیر تربیت خواتین

اساتذہ کے نصاب میں بھی مرکزی اہمیت حاصل ہونی چاہئے۔

تربیت

سب سے ہم موضوع کو ہم سب سے آخر میں لائے ہیں تاکہ مضمون ختم کرنے پر بھی وہ ذہن میں تازہ رہے۔ ہمارے نزدیک تعلیم ایک ذریعہ اور تزکیہ وتربیت اس کی غایت ہے اور اگر آپ تعلیم کو بھی ایک غایت قرار دیں تو تزکیہ وتربیت کو غایۃ الغایات کہہ لیں کیونکہ علم بنفسہ یا علم برائے علم تو محض ذہنی عیاشی اور قرآن کے الفاظ میں ''گدھے کا بوجھ'' ہے۔ درحقیقت علم برائے عمل ہوتا ہے اور یہ بات قرآن حکیم کے اسلوب سے بھی ظاہر ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصد بعثت قرار دیا ہے وہاں ایک دفعہ تزکیے کا ذکر تعلیم کتاب وحکمت سے پہلے کیا ہے اور ایک دفعہ بعد میں گویا اول وآخر مطلوب تزکیہ ہی ہے۔ تزکیہ نفس ایک شرعی اصطلاح ہے، تعلیمی اصطلاح میں اسے تربیت اور عام اسلوب میں تعمیر سیرت وکردار یا تعمیر شخصیت کہتے ہیں۔

تربیت طلبہ

جب اسلام میں تعلیم کی غایت تربیت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تربیت تعلیم سے بھی زیادہ اہم ہے لیکن ہماری بدقسمتی یہ کہ ہم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ پھر جس طرح مسلمان معاشرے کے لئے محض تعلیم مطلوب نہیں بلکہ اسلامی تعلیم مطلوب ہے اسی طرح محض تربیت مطلوب نہیں بلکہ اسلامی تربیت مطلوب ہے اور جس طرح غیر اسلامی تعلیم ردّ ہے۔ اسی طرح غیر اسلامی تربیت بھی قابل ردّ ہے۔

تربیت سے کیا مقصود ہے اور اس کا ہدف کیا ہے؟ ایک اسلامی معاشرے میں تربیت سے مقصود ہے، ایسی شخصیت کی تعمیر جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر عمل کرنا آسان ہوجائے، جس سے وہ معصیت سے بچ جائے اور اکتساب فضائل احسن انداز میں کرسکے۔ نیز

اس سے مقصود ہیانسانی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما تاکہ انسان بہترین انداز میں وسائل دنیامہیا کرنے پر قادر ہوجائے اور تسخیر کائنات میں اپنا کردار ادا کرسکے۔

تربیت کیسے ہوتی ہے؟ یہ ایک ہمہ جہتی عمل ہے۔جس میں استاد کا بھی کردار ہے، تعلیمی ادارے کی انتظامیہ اور ماحول کا بھی حصہ ہے ۔نصاب کا بھی اس میں عمل دخل ہے اور اس کا ایک بڑا وسیلہ ہیں غیر نصابی یا ہم نصابی سرگرمیاں۔ اسکول میں بچے کی اسلامی تربیت کیسے کی جائے؟ اس موضوع پر ہماری ایک مستقل کتاب'ادارے اور کردار سازی' موجود ہے(جو عزیز بک ڈپو، سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے)۔ یہاں کچھ باتیں جستہ جستہ عرض کی جاتی ہیں:

۱۔ نصاب بناتے وقت اور نصابی کتب لکھتے وقت تربیت پیش نظر رہنی چاہئے یعنی نصاب میں تربیتی مواد بھی ہونا چاہئے اور کتاب کا اسلوب بھی ایسا ہو جو عمل کی ترغیب دے، عمل کا شوق پیدا کرے۔

۲۔ استاد کو بچے ماڈل سمجھتے ہیں اور شوق سے اس کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا استاد کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محض معلم نہیں بلکہ مربی بھی ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض معلم نہ تھے مزکی اور مربی بھی تھے۔

۳۔ اساتذہ اور سکول انتظامیہ کو تربیت کے کام کو ایک ٹیم ورک کی طرح منظم انداز میں کرنا چاہئے۔صدر معلم چیف مربی ہو، ہر کلاس انچارج مربی ہو، کلاس کا مانیٹر کلاس کا جونیئر مربی ہو جو کار تربیت میں استاد/مربی کی اعانت کرے۔سکول کی تربیت کمیٹی کے باقاعدہ اجلاس ہوں۔ جو طلبہ تعلیمی اور اخلاقی مسائل کا شکار ہوں ان کے والدین کو بلا کر ان کی بھی مدد لی جائے۔تربیت کا سال بھر کا ایک بھرپور پروگرام وضع کیا جائے اور اس پر صبر اور دل جمعی سے عمل کیا جائے۔

۴۔ تربیت اگرچہ تعلیم سے زیادہ اہم ہے لیکن اس کی اہمیت کوئی محسوس نہیں کرتا اور نہ اسے کوئی ''کام'' سمجھا جاتا ہے ۔لہٰذا اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے اور اس کے لئے

وقت نکالنے کیلئے اسے سونمبر کا ایک مضمون (سبجیکٹ) سمجھ لیا جائے اور ہر ہفتے ایک پیریڈ اس کے لئے مختص کیا جائے۔

۵۔ اسی طرح اس مضمون کا سالانہ امتحان بھی ہونا چاہئے اور اس مضمون میں پاس ہونا لازمی ہونا چاہئے۔ اس کی جانچ اور امتحان کی کئی صورتیں سوچی جا سکتی ہیں جیسے گراف کا طریقہ ہے۔ اس کے لئے ہر طالب علم کی الگ فائل بنائی جا سکتی ہے، سالانہ انٹرویو(زبانی امتحان) رکھا جا سکتا ہے۔

۶۔ تربیتی سرگرمیوں کو دو بڑے شعبوں میں تقسیم کر کے انہیں منظم کیا جا سکتا ہے۔

۔ بنیادی صلاحیتوں کو جلا دینے والی سرگرمیاں جیسے صفائی، وقت کی پابندی، لکھنے اور بولنے کی صلاحیت، تقریری پروگرام، تقریبات کا انتظام، آداب نشست و برخواست، کھیل کود وغیرہ

۔ براہ راست اسلامی تربیتی سرگرمیاں جیسے سکول میں نماز کا اہتمام، روزہ رکھنا، مسنون دعاؤں پر عمل، سچ بولنا، غیبت نہ کرنا وغیرہ۔

تربیت اساتذہ

۱۔ بچوں کی تربیت کا انحصار بری حد تک اساتذہ پر ہے لہٰذا خود اساتذہ کی تربیت بہت اہم ہے۔

۲۔ اس وقت ہمارے تربیت اساتذہ کے ادارے استاد کی تھوڑی بہت فنی اور پیشہ ورانہ تربیت تو کرتے ہیں لیکن نظریاتی تربیت نہیں کرتے بلکہ یہ الٹی (غیر اسلامی) تربیت کرتے ہیں کیونکہ تربیت کا موجودہ منہاج فکری اور عملی سطح پر مغرب ہی سے مستعار ہے۔

۳۔ اساتذہ کی اسلامی اور نظریاتی تربیت میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں ایک تو یہ کہ استاد کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنائے اور دوسرا یہ کہ اس کا کام محض علم پہنچا دینا نہیں بلکہ طلبہ کی تربیت کرنا بھی ہے یعنی وہ محض معلم نہیں بلکہ مربی بھی ہے۔ اگر ان دو نکات کو تربیت اساتذہ کے منہاج میں بنیادی اہمیت دے دی جائے تو توقع ہے کہ اس کے نتائج خوشگوار نکلیں گے۔

۴۔ جو استاد اس طرح کی صحیح تربیت پائے بغیر استاد اور معلم بن چکے ہیں۔ ان کے لئے سالانہ ریفریشر کورسز رکھے جائیں یا ان کی آن دی جاب ٹریننگ کی جائے تاکہ مذکورہ بالا دو نکات (مع تفصیلات) ان کی پیشہ ورانہ شخصیت کا حصہ بن جائیں۔ بلکہ کوئی صاحب اگر نظریاتی اصلاحی اسکول کھولنا چاہتے ہوں تو ضروری ہے کہ وہ پہلے اساتذہ کی ایسی تربیت کریں اور پھر ان کو کلاس روم میں بھیجیں۔

تنبیہ

بچے کو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت دینا اسکول کا کام ہے۔ آج کے حالات میں شائد ہی کوئی سکول ایسا ہو جو اپنا فریضہ کما حقہ انجام دے رہا ہو۔ تاہم اگر کسی اسکول کو یہ توفیق ہو بھی تو دو ادارے ایسے ہیں جو اس کے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتے ہیں لہٰذا ان کا ذکر ضروری ہے تاکہ مشکل کو سمجھ کر اس کا حل نکالا جا سکے۔ یہ دو ادارے ہیں؛ والدین اور میدیا

والدین

ا۔ اکثر والدین کو یہ سمجھ ہی نہیں کہ اچھا اسکول کون سا ہوتا ہے (اگرچہ اکثر والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ اچھا مسلمان بنے) لیکن وہ اچھا اسکول عموماً اسے سمجھتے ہیں جس کی فیس زیادہ ہو، جو انگلش میڈیم ہو، جس کی بلڈنگ اچھی ہو یا یہ کہ اس کا تعلیمی معیار اچھا ہو، اس کے بچے بورڈ میں پوزیشن لیتے ہوں وغیرہ۔ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ اچھا سکول وہ ہوتا ہے جو ان کے بچے کو اچھا مسلمان بنائے اور اس میں دیگر خوبیاں بھی ہوں۔

۲۔ اکثر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ وہ بچے کو ''اچھے'' اسکول میں داخل کروادیں۔ وہ بھی اسکول نہیں جاتے، بچے کے اساتذہ یا پرنسپل سے نہیں ملتے کہ ان کے بچے کی اخلاقی حالت کیسی ہے؟ ان کے پاس اس کام کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا حالانکہ انہیں پتہ ہے کہ بچے ہی ان کی دولت ہیں اور وہی ان کے وارث ہیں اور ان کے اچھا ہونے پر ہی مستقبل میں معاشرے میں ان کی عزت اور وقار کا انحصار ہے۔

۳۔ بہت سے والدین اپنی غیر تعمیری سرگرمیوں میں بچوں کو شامل کر لیتے ہیں جیسے رات کو ٹی وی پر فلم دیکھنا، سگریٹ پینا، پتنگیں اڑانا، رات کو دیر سے سونا، صبح دیر سے اٹھنا، مسجد نہ جانا، نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، گانے سننا وغیرہ۔ اسی طرح بعض ناسمجھ مائیں اپنی بچیوں کو غیبت کرنے، چغلی کھانے، ناروا فیشن کرنے، مہنگے کپڑے اور زیور پہننے، دوسروں کی نقالی کرنے، بن سنور کر بازار جانے وغیرہ بُری عادتیں ہیں۔

میڈیا

الیکٹرانک میڈیا (جیسے ٹی وی، کیبل، ڈش، انٹرنیٹ، وی سی آر، آڈیو وڈیو کیسٹس، سی ڈیز، موبائل وغیرہ) کا موجد چونکہ مغرب ہے جس کے سماجی تصورات میں عورت کی حیا اور عفت کا تصور، رشتوں کا تقدس اور خاندان کے ادارے کی اہمیت وغیرہ بے معنی ہیں، وہاں عورت متاع بازار ہے، جنسی آزادی شتر بے مہار ہے اور اخلاق و کردار امر محال ہے اور ہر مسلمان مرد وعورت اس سے شرمسار ہے۔ رہے نام اللہ کا جو سمیع ونگہ دار ہے۔

اسکول کا کردار

ایک اسلامی اور اصلاحی اسکول اپنے طلبہ کو اور اپنی تعمیری کوششوں کو والدین کے غیر تعمیری اور میڈیا کے تباہ کن کردار سے کیسے محفوظ رکھ سکتا ہے؟ یہ ایک نہایت پیچیدہ لیکن اہم سوال ہے۔ ظاہر ہے اس مخدوش صورت حال میں اسکول کی افادیت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کے مثبت اثرات گہنا جاتے ہیں۔ بہر حال جو کچھ ہوسکتا ہے، وہ یہ ہے:

ا۔ اسکول بچوں کے ساتھ والدین کی تربیت کا ذمہ بھی لے۔ ظاہر ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو بظاہر اسکول کے دائرہ عمل سے باہر اور زائد ہے لیکن جن غیر معمولی حالات میں ہمیں اسلامی نظام تعلیم وتربیت کی مؤثر بحالی کی مہم درپیش ہے، ان میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اسکول

☆ جدیدیت کا لفظ یہاں عمومی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے نہ کہ سماجی علوم کی ایک اصلاح کے طور پر

کو بدرجۂ مجبوری یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے اور بچے کے والدین سے مستقل رابطہ رکھنا چاہئے، ان کو وقتاً فوقتاً اسکول بلوانا چاہئے، ان سے ڈائیلاگ کرنے چاہئیں اور انہیں اس پر آمادہ اور رضامند کرنا چاہئے کہ وہ اپنے بچے کے اخلاقی مستقبل کو اہمیت دیں اور اس کے لئے خود کو بدلیں۔ بلکہ ہم تو کہیں گے کہ اس غرض سے اگر استاد کو والدین کے گھر بھی جانا پڑے تو اسے جانا چاہئے۔ تعلیمی ادارے کی انتظامیہ کو اس کے لئے ضروری سہولتیں اساتذہ کو بہم پہنچانی چاہئیں مثلاً کرایہ آمدورفت، زائد تنخواہ وغیرہ۔ یہ باتیں ممکن ہیں اچنبھے کی ہوں ــــ اور جس کم سواد زمانے میں ہم رہ رہے ہیں وہاں واقعی یہ اچنبھے کی باتیں ہیں۔ جہاں استاد سکول میں نہیں پڑھاتے تاکہ بچے اس کے گھر ٹیوشن پڑھنے آئیں اور ٹیوشن سنٹر میں بھی بچے کے ہاتھ کچھ نہیں آتا، بس صرف استاد کے ہاتھ میں چند ٹکے آجاتے ہیں۔) لیکن اگر اسکول کے استاد اور تلمیذ کے درمیان محض فیس کا رشتہ نہ ہو بلکہ ایک مربی اور مسترشد کا رشتہ ہو، استاد ایک ایسی شفیق ومہربان ہو جو اپنے زیر تربیت بچے کو جہنم کی آگ سے بچانے کی انتہائی خواہش مند ہو تو جو باتین ہم کہہ رہے ہیں وہ اچنبھے کی نہیں رہتیں ضرورت بن جاتی ہیں۔

۲۔ اسکول اقامتی ہوتا کہ بچہ چوبیس گھنٹے اسکول کے پاس رہے اور وہ اس کی تربیت میں فیصلہ کن کردار ادا کرسکے اور اس پر وہ رنگ چڑھا سکے جو وہ چڑھانا چاہتا ہے۔

۳۔ اسکول اگر اقامتی نہ ہوسکتا ہو تو دن بھر کا (Full Day) ہو یعنی بچے وہاں صبح سے شام تک رہیں۔ اس کے لئے بھی ظاہر ہے اسکول کا دردسر بڑھے گا، اساتذہ اور انتظامیہ کو بھی سارا دن اسکول میں رہنا پڑے گا لیکن اگر اسلامی تربیت پیش نظر ہو اور اس کے لئے مؤثر کام کرنا پیش نظر ہو تو یہ محنت تو کرنا ہوگی۔ والدین کے لئے بھی یہ کوئی ایسا گھاٹے کا سودا نہیں کیونکہ موجودہ رواج کے مطابق بچوں کی اکثریت بعد عصر ٹیوشن سنٹروں پر جاتی ہے لہٰذا وہ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ گویا اسکول ہی بچوں کی ٹیوشن کا بھی انتظام کر رہا ہے تو وہ اس صورت حال کو بخوشی قبول کر لیں گے۔ اگر اسکول اس طرح کی نان کمرشل تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے لئے اپنی

شہرت ایک دفعہ بنالے گا تو ممکن ہے، سارے والدین اپنے بچے یہیں بھیجنا چاہیں۔ ہماری رائے

تحریک اصلاح تعلیم (ٹرسٹ) لاہور ایک عرصے سے پاکستان میں تعلیم کی اصلاح اور نئے رول ماڈل تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اس کی اصلاحی سکیم کا ایک بنیادی نکتہ تعلیم سے ثنویت کے خاتمے کا ہے۔ ثنویت کا خاتمہ، دو طرح سے ممکن ہے ایک یہ کہ جدید تعلیم کو اس کا ذریعہ بنایا جائے اور اس میں ضروری دینی علوم اور اسلامی تربیت کا اضافہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ دینی تعلیم کے مروجہ نظام کو اس کا ذریعہ بنایا جائے اور دینی تعلیم اس طرح دی جائے کہ طلبہ جدید علوم سے باخبر اور عصری تقاضوں سے آگاہ ہوں، ۲۱ ویں صدی کے مسلم معاشرے کی رہنمائی کر سکیں اور عصری چیلنجز سے بھی عہدہ برآ ہو سکیں۔ ثنویت کا خاتمہ، تعلیم کی اسلامائزیشن اور نئے رول ماڈل ادارے کا قیام ان دونوں طریقوں سے ممکن ہے۔

تحریک نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مذکورہ دوسرے منہج سے دینی تعلیم دینے کا ایک رول ماڈل ادارہ صفاء اسلامک سنٹر کے نام سے قائم کیا ہے۔ پہلے یہ ادارہ دونوں تعلیمی دھاروں یعنی جدید اور قدیم کے فارغ التحصیل حضرات کی تعلیمی و تربیتی کمی پوری کرنے کے لئے کوشاں تھا جب کہ اکتوبر ۲۰۱۰ء سے صفاء اسلامک سنٹر نے ۶ سالہ ایم اے (مع شہادۃ العالیہ) کا آغاز کیا ہے جس میں طلبہ اسلامی اور عربی علوم میں حکومتی بورڈ اور یونیورسٹیوں سے ایف اے اور بی اے کے امتحان پاس کریں گے اور ساتھ بہت سے اسلامی مضامین کا اضافی مطالعہ کریں گے جب کہ ایم اے وہ سوشل سائنس کے کسی مضمون مثلاً جرنلزم، اکنامکس یا انگلش میں کریں گے۔ اس سے نہ صرف ان طلبہ کو معقول ملازمتیں مل سکیں گی، معاشرے کو متوازن خصوصیات کی حامل شخصیت اور مسلم ریاست کو اسلامی ذہن کے بہترین کارکن ملیں گے بلکہ اس تعلیم سے ثنویت کا بھی خاتمہ ہوگا۔ مذکورہ پروگرام کا تعارفی خاکہ حاضر خدمت ہے۔ اہل فکر و نظر کی تنقیدی آراء اور تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ امین

میں یہ ہرگز ناممکن نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسکول ایسا ہو جس کے پیش نظر پیسے کمانا نہ ہو بلکہ بچوں کی اسلامی تربیت کرنا ہو اور اتنے میٹھے رزلٹ کے لئے اساتذہ اپنی محنت اور توجہ کا کافی گُڑ (بلکہ چینی) اس میں ڈال سکیں اور اصحاب اسکول اس کے لئے ضروری مالی وسائل مہیا کر سکیں۔

۴۔ اگر والدین کسی حد تک اساتذہ اور اسکول انتظامیہ کے ساتھ تعاون کرنے لگیں تو الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے نقصانات سے بری حد تک بچے کو بچایا جا سکتا ہے کہ والدین گھر میں ایسے اخبارات و جرائد نہ آنے دیں جن میں محش تصویریں اور مضامین ہوں۔ وہ گھر میں کیبل اور ڈش کو نہ گھسنے دیں۔ بچوں کے محدود پروگرام اپنی نگرانی میں بچوں کو دکھائیں۔ خود رات جلدی سوئیں اور صبح جلدی اٹھیں وغیرہ وغیرہ تو بچے اس بہتر اور تعمیری ماحول کے عادی ہوجائیں گے اور بری عادتوں سے بچ جائیں گے۔

میڈیا کی اصلاح

یہاں ایک بالواسطہ سوال یہ ہے کہ کیا میڈیا ٹھیک نہیں ہوسکتا؟ حکومت اگر چاہے تو بڑی حد تک ٹھیک ہوسکتا ہے۔ غیر ملکی میڈیا کو بھی ایک حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے اور ملکی میڈیا تو حکومت کی دسترس میں ہے ہی لیکن ہماری حکومتیں چلانے والے افراد ایسے ہیں (صرف سیاستدانوں کی بات نہیں پوری اسٹیبلشمنٹ کی) جو اس کی اصلاح کرنا نہیں چالتے بلکہ وہی تو اس بگاڑ کے ذمہ دار ہیں اور ان کے اس طرز عمل کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک مغربی تہذیب کا فکری اور عملی غلبہ اور دوسرے دین سے دوری اور اس کے مقتضیات کا عدم ادراک۔

ایک بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ ہمارے عوام منظم نہیں۔ صدیوں سے جاری مسلمان حکمرانوں کے ظلم و جبر نے (جو بدقسمتی سے آج بھی جاری و ساری ہے) ان سے اجتماعی قوت چھین لی ہے ورنہ اگر چند لاکھ والدین بھی منظم ہوکر ٹی وی حکام پر مسلسل دباؤ ڈالیں تو اس کا قبلہ درست کر سکتے ہیں۔

تیسری مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علماء اور دینی عناصر کی دینی فکر اور عملی سوچ بڑی محدود ہے اور وہ دینی ضرورتوں اور عصری تقاضوں کا صحیح ادراک نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دینی عناصر نے ابھی تک کوئی ریڈیو اسٹیشن اور ٹی وی اسٹیشن قائم نہیں کیا؟ انہوں نے بیہودہ فلموں اور لچر ڈراموں کی جگہ ابھی تک کوئی متبادل تعمیری چیزیں تیار نہیں کیں اور محض کبھی کبھار حکومت

کی ثقافتی پالیسی پر تنقید کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

....

یہ چند گزارشات تھیں جو ہم ایک نئے رول ماڈل اسلامی اسکول کے حوالے سے اپنے قارئین کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ ہمارے نزدیک اب کرنے کا کام یہ ہے کہ ان نظریات کے مطابق عملاً ایک رول ماڈل اسلامی اسکول قائم کیا جائے اور اسے عملاً چلا کر اچھے نتائج دکھا دیئے جائیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے ایسے اصحاب خیر کی جو اس کام کو دینی کام سمجھیں اور آخرت کے لئے سرمایہ کاری کرنا چاہیں۔ دیکھیں اللہ کس کو یہ توفیق دیتا ہے؟

ارشد سراج الدین

ایک خواب

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا تعلیمی ادارہ ہو۔۔۔۔

جو نسل نو کو دورِ حاضر کے علوم اور مہارتیں عطا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی تہذیب اور روایت کے بنیادی سرچشموں کے ساتھ بھی منسلک کر دے۔ یوں اس ادارے سے فارغ التحصیل نوجوان بھینگے پن کے اُس عارضے میں مبتلا نہ ہوں جس میں چیزوں کا صرف ایک ہی پہلو نظر آتا ہے اور جو اُس نظامِ تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے جس کی بنیاد روایت اور جدیدیت ☆ کے مابین دوئی (dichotomy) پر ہے۔

دانش مند باخبر ہیں کہ زبان ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے تہذیبی ورثہ اور علمی سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا ہے لہٰذا اس ادارے کے نوجوان مغربی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کے بھی اتنے ماہر ہوں کہ بلا تکلف ان کے ادبِ عالیہ کا مطالعہ کر سکیں۔

قرآن، تفسیری ادب، احادیث اور فقہ ان طلباء کا خصوصی مطالعہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جغرافیہ، تاریخِ عالم اور سائنس پر بھی دسترس رکھتے ہوں۔ وہ مغرب کے ورلڈ ویو (world view) کی بنیادی خامیاں اہلِ مغرب تک انہی کی زبان میں پہنچانے کی صلاحیت رکھتے

ہوں۔ وہ مغربی تہذیب کے سرچشموں سے آگاہ ہوں اور معاصر مغرب کی فکری تحریکوں اور رجحانات کا تنقیدی جائزہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ وہ مغربی تہذیب کی خوبیوں سے بھی آگاہ ہوں اور اس کے استحصالی پہلو بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوں۔

علمی لیاقت کے ساتھ ساتھ ان طلباء میں سلیقہ بھی ہو اور وضع داری بھی۔ وہ بغیر کسی چھچھورے پن میں مبتلا ہوئے عصرِ حاضر کی ٹیکنالوجی کے استعمال سے واقف ہوں۔ ان کے سینے میں تڑپنے والا دل ہو جو انہیں رضا کار اور خادم بنائے۔ ان میں ایثار اور انکسار ہو اور وہ ہر وقت سیکھنے کے لئے آمادہ ہوں۔ دل کے سوز کے ساتھ ساتھ وہ ظاہری اور مجلسی آداب سے بھی غافل نہ ہوں۔ وہ مہذب اور شائستہ ہوں۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ ہو۔ ان کے لباس سادہ مگر صاف ستھرے ہوں اور وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھتے ہوں۔

وہ رات کو اللہ کو پکارنے کی لذت سے آشنا ہوں اور زندگی کے ہر موڑ پر سیرتِ رسول ﷺ ان کے پیشِ نظر ہو۔ وہ خالق کائنات کی علامات و آیات پر غور و فکر کرنا سیکھ چکے ہوں اور یہ غور و فکر بے اختیار ان کی زبان پر تسبیح وتمہید وتکبیر جاری کر دے۔ ان کے دل نرم ہوں۔ وہ لوگوں کے دُکھ اور تکلیف سے بے چین ہو جاتے ہوں اور عملی طور پر مسئلے کا حل دریافت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔

وہ افراط وتفریط کا شکار نہ ہوں اور کسی کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت اس کے واقعی محاسن اور خوبیوں کو نظر انداز نہ کرتے ہوں۔ ان کے فکر و نظر میں وسعت ہو لیکن فکر و نظر کی یہ وسعت انہیں عمل اور جدوجہد سے بھی دور نہ کرے۔ فکر وسعت چاہتا ہے لیکن عمل تحدید چاہتا ہے۔ وہ عالمِ باعمل ہوں اور اپنے دل کو وسیع رکھتے ہوئے اپنے لئے جو راہِ عمل چنیں اس پر پوری استقامت سے گامزن ہوں۔

کیا آپ کے خیال میں یہ سب محض ایک خواب اور تخیل کی ایک پرواز ہے؟

آپ کا خیال درست ہے لیکن کیا بڑے سے بڑا علمی نظام اور ادارہ ابتداء میں خواب ہی

نہیں ہوتا؟ یہ ٹھیک ہے کہ جب سے اسلامی دنیا اور مغرب کا تصادم ہوا ہے ہم متعدد کوششوں کے باوجود ایسا تعلیمی ادارہ تشکیل نہیں دے سکے۔ کہیں نہ کہیں ایک آنچ کی کسر رہ جاتی ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل ہرگز نہیں کہ مستقبل میں بھی ایسا ادارہ تعمیر نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر محمد امین

دینی تعلیم کا ایک نیا رول ماڈل

تعارف ٹرسٹ

تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ کا آغاز 2000ء میں ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ 1988ء میں ملک کے معروف دینی سکالر ڈاکٹر محمد امین صاحب نے ارقم فاؤنڈیشن قائم کی اور اسلامی تناظر میں پاکستان کے نظام تعلیم کی اصلاح خصوصاً جدید اور روایتی مذہبی نظام تعلیم میں ثنویت (dichatomy) کے خاتمے؛ اور وحدت تعلیم کے تصور پر نئے ماڈل تعلیمی اداروں کے قیام کی فکر پیش کی۔ اگلے چند سال اس تصور کی وضاحت کے لئے لٹریچر تیار کرنے اور اس فکر کو عام کرنے میں لگ گئے۔ 2000ء میں ڈاکٹر صاحب نے اسے ایک تحریک کی شکل دینے کا سوچا اور 'تحریک اصلاح تعلیم' کو پبلک ٹرسٹ کے طور پر حکومت کے پاس رجسٹرڈ کروایا گیا۔ اس کے بعد جدید تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کے لئے نئے نصابات تیار کئے گئے اور تربیت اساتذہ کا کام شروع ہوا۔ دسمبر 2007ء میں لاہور میں صفاء انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا تا کہ دینی مدارس اور جدید تعلیم سے فارغ ہونے والے فضلاء کی تعلیمی کمی کو پورا کیا جائے اور انہیں ثنویت کے نقصانات سے بچایا جائے۔ ستمبر 2009ء میں صفاء اسلامک سنٹر کی بنیاد رکھی گئی تا کہ دینی تعلیم کے لئے ایک نیا رول ماڈل تعلیمی ادارہ کھڑا کیا جا سکے اور پرائیویٹ سیکٹر میں

ایک ماڈل دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جا سکے۔

صفاء اسلامک سنٹر

ملک میں موجود دینی مدارس اگرچہ دین کی بہت خدمت کر رہے ہیں اور مساجد و مدارس کو رجال کار مہیا کرنے کے علاوہ معاشرے کی مذہبی ضرورتوں کو بھی پورا کر رہے ہیں تاہم اہلِ فکر ونظر سے پوشیدہ نہیں کہ دینی مدارس کے نظام تعلیم میں عصری تقاضوں کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے والی تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ قیام پاکستان کے بعد دینی مدارس کو چاہئے تھا کہ وہ اس عارضی نظام کو ترک کر دیتے جو ہندوستان میں انگریزی دور میں انہوں نے مجبوراً اختیار کیا تھا اور وہ دینی مدارس کے اس کردار کو بحال کردیتے جو ماضی میں ان کے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا جن کے مدارس ایسے علماء تیار کرتے تھے جو عالم دین ہونے کے علاوہ معاشرے کے مختلف شعبوں خصوصاً ریاست اور نظام مملکت چلانے کے اہل بھی ہوتے تھے ؛ یا کم ازکم ہمارے مدارس ایسے علماء ہی تیار کردیتے جو جدید علوم سے بھی بخوبی آگاہ ہوتے لیکن بوجوہ وہ ایسا نہ کر سکے جس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حکومت پاکستان نے ان کی مدد کرنے اور اصلاح میں ان کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے بالعموم معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ بہرحال اسی احساس کے پیش نظر تحریک اصلاح تعلیم نے سب مسالک کے علماء کرام کے تعاون اور دینی مدارس سے مل کر ان کے نظام تعلیم خصوصاً نصاب کی اصلاح کا کام شروع کیا جس کی تفصیلات طبع شدہ (درکتاب 'ہمارا دینی نظام تعلیم') موجود ہیں۔ تحریک ان کے اساتذہ کی تربیت کر رہی ہے اور ان کے طلبہ کی جدید علوم کی کمی پوری کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اس نے مدارس میں ہم نصابی سرگرمیوں کا بھی آغاز کیا ہوا ہے لیکن اس چیز کی ضرورت باقی تھی کہ دینی تعلیم کے لئے ایک نیا ماڈل تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے تا کہ وہ ایسی دینی تعلیم دینے کا عملی مظاہرہ کر سکے جو مذکورہ خامیوں سے پاک ہو۔ چنانچہ اس غرض سے صفاء اسلامک سنٹر قائم کیا گیا ہے۔

شہادۃ العالمیہ مع ایم اے (جرنلزم/ اکنامکس/ انگلش ......) پروگرام

سنٹر نے 2010ء سے میٹرک پاس طلبہ کے لئے 6سالہ عالمیہ مع ایم اے (جرنلزم/ اکنامکس/ انگلش ......) کا آغاز کیا ہے۔اس پروگرام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہوں گی:

پروگرام کے مقاصد

۱۔ ثنویت کا خاتمہ اور ایسے طلبہ کی تیاری جو دینی علوم میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی، کمپیوٹر اور عمرانی علوم (Social Sciences) کے بھی ماہر ہوں۔

۲۔ ادارے کا ماحول اور انداز تربیت طلبہ کی تعمیر سیرت اور کردار سازی کا باعث بنے۔

۳۔ فارغ التحصیل طلبہ اس اہلیت کے حامل ہوں کہ وہ معاشرے کو درپیش جدید مسائل اور عمرانی علوم میں اس طرح تحقیق کرسکیں کہ کلاسیک دینی مصادر اور جدید مغربی پیش رفت سے بیک وقت استفادہ کرسکیں۔

۴۔ وہ اردو کے علاوہ انگریزی، عربی اور فارسی زبان میں بھی مہارت رکھتے ہوں۔

۵۔ متوازن اسلامی شخصیت، اعلیٰ اخلاقی اقدار کے امین اور علمی ذوق کے حامل افراد معاشرے کو میسر آسکیں۔

۶۔ دینی تعلیم سے فرقہ وارنہ سوچ کا غلبہ ختم ہو سکے۔

۷۔ فارغ التحصیل طلبہ معاشرے کو درپیش جدید مسائل میں عوام کی رہنمائی کرسکیں۔

حاصلات اور فوائد

۱۔ فارغ التحصیل طلبہ، ان شاء اللہ، بآسانی ملازمت حاصل کرسکیں گے کیونکہ ان کے پاس حکومت کی منظور شدہ ڈگریاں ہوں گے اور وہ انگریزی، کمپیوٹر اور کسی عمرانی علم میں مہارت بھی رکھتے ہوں گے۔

۲۔ عربی زبان جاننے کی وجہ سے انہیں عرب دنیا میں بھی روزگار کے مواقع حاصل ہوں گے۔

۳۔ طلبہ بآسانی اعلیٰ تعلیم جاری رکھ سکیں گے اور اس میں بیک وقت اسلامی مآخذ اور جدید

مغربی تحقیقات سے استفادہ کرسکیں گے۔

۴۔ دینی مصادر اور عربی مآخذ تک رسائی اور جدید مغربی علوم پر گرفت کے لئے عربی، انگریزی اور اردو زبان پر عبور رکھتے ہوں گے اور فارسی بھی جانتے ہوں گے۔

۵۔ معاشرے کو متوازن شخصیت کے حامل افراد اور ریاست کو مفید کارکن (civil servants) میسر آئیں گے۔

۶۔ وہ معاشرے کو درپیش مسائل کا حل اسلامی تناظر میں پیش کرسکیں گے اور الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں اسلامی موضوعات پر مباحثوں میں بھی شریک ہوسکیں گے۔

اوقات کار

۔ تدریس 8 گھنٹے روزانہ ہوگی۔

۔ سمسٹر سسٹم ہوگا۔ ہر سال میں تین سمسٹر ہوں گے اور چھٹیاں بہت کم ہوں گی۔

۔ روزانہ دس پیریڈ ہوں گے۔ ہر پیریڈ 45 منٹ کا ہوگا۔

۔ دوپہر میں نماز اور کھانے کا 45 منٹ کا وقفہ ہوگا۔

۔ ٹائم ٹیبل صبح 8 بجے سے 4:45 تک ہوگا (ترتیب میں رد و بدل ہوسکتا ہے)۔

داخلے کا طریقہ کار

ادارے سے حاصل کردہ فارم پُر کر کے درج ذیل دستاویزات منسلک کریں اور فارم ادارے کے دفتر داخلہ (Admission Office) میں جمع کروائیں:

۱۔ میٹرک کے رزلٹ کارڈ کی کاپی ۲۔ اپنے اور والد کے شناختی کارڈ کی کاپی

۳۔ کریکٹر سرٹیفکیٹ کی کاپی ۴۔ ایک عدد پاسپورٹ سائز فوٹو

منتخب (Short Listed) امیدواروں کو انٹرویو کے بعد پروگرام میں داخلہ دیا جائے گا۔

مالیات

صفاء اسلامک سنٹر اس وقت کرائے کی عمارت میں کام کررہا ہے۔ پڑھانے والے اساتذہ

عموماً یونیورسٹی پروفیسرز ہوتے ہیں جنہیں معقول معاوضہ دینا پڑتا ہے۔طلبہ کی اکثریت غریب اور نچلے متوسط طبقے سے آتی ہے جو فیس ادا نہیں کر سکتے، یوں ادارے کے اخراجات کافی بڑھ جاتے ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اہل خیر کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔مخیر حضرات اس سلسلے میں سنٹر انتظامیہ کی جو بھی مالی مدد کر سکیں اس کے لئے وہ عند اللہ ماجور ہوں گے۔ٹرسٹ کا اکاؤنٹ نمبر 0133-0012595103 حبیب بنک پنجاب یونیورسٹی برانچ لاہور میں ہے۔ چیک 'تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ' کے نام لکھے جائیں۔ یاد رہے کہ ٹرسٹ کے حسابات ہر سال آڈٹ ہوتے ہیں اور ہر شخص انہیں ملاحظہ کر سکتا ہے۔

انتظامیہ

ٹرسٹ کی ایڈوائزری کونسل میں جسٹس (ر) خلیل الرحمن خان (سپریم کورٹ آف پاکستان)، جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل (لاہور ہائی کورٹ)، جناب مجیب الرحمن شامی (چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان لاہور)، اوریا مقبول جان (معروف دانشور)، حاجی انعام الٰہی اثر (بانی حجاز ہسپتال) اور علماء کرام میں سے مولانا فضل الرحیم صاحب (جامعہ اشرفیہ)، مولانا قاری ڈاکٹر احمد میاں تھانوی صاحب (دارالعلوم الاسلامیہ)، مولانا مفتی محمد خان قادری صاحب (جامعہ اسلامیہ لاہور)، مولانا عبدالمالک صاحب (مرکز علوم اسلامیہ منصورہ) اور مولانا حافظ ڈاکٹر حسن مدنی (جامعہ رحمانیہ، لاہور) شامل ہیں۔

ٹرسٹ انتظامیہ میں پروفیسر ڈاکٹر محمد امین (پی ایچ ڈی پنجاب اور امریکہ، سابق سینئر ایڈیٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جامعہ پنجاب، سابق استاد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور موجودہ صدر شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور)، پروفیسر ڈاکٹر مہر سعید اختر (صدر شعبہ اسلامی تعلیم، آئی ای آر جامعہ پنجاب)، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر مصطفی (یوایم ٹی لاہور)، پروفیسر وقار علی اور پروفیسر ڈاکٹر شبیر

احمد منصوری (صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب)، پروفیسر شاہد رشید (صدر شعبہ سوشیالوجی، ایف سی کالج یونیورسٹی) اور مرزا عزیز احمد (سابق پرنسپل انٹرنیشنل سکول ابوظہبی) جیسے ماہرین تعلیم شامل ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کیجئے:

صفاء اسلامک سنٹر 135-A ہنزہ بلاک، بالمقابل فاروق ہسپتال، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 0300-4609522، 0300-435 4673 ویب: www.safa.edu.pk

ای میل: ermpak@hotmail.com

نصاب

i۔ اصول الدین

۱۔ قرآن حکیم: تجوید، ترجمہ وتشریح مکمل قرآن (دوسرے سال سے لغوی تحلیل)۔ قدیم تفسیریں۔ جدید تفسیریں (12 کورس)

۲۔ حدیث: منتخبات از ریاض الصالحین۔ مشکوۃ۔ بخاری۔ مسلم۔ مؤطا۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ (10 کورس)

۳۔ سیرۃ الرسول: مکی و مدنی زندگی۔ اسوۂ حسنہ (2 کورس)

ii۔ اساسی علوم

۱۔ فقہ کی اساسیات (محاضرات)۔ منتخبات از ھدایۃ و بدایۃ المجتھد۔ پاکستانی ومغربی قوانین۔ اصول فقہ۔ اجتہاد (5 کورس)

۲۔ تزکیۂ نفس: منتخبات از امام غزالی، رومی اور شاہ ولی اللہ۔ تزکیہ اور عصر حاضر (2 کورس)

۳۔ عقیدہ وعلم الکلام: قدیم وجدید مباحث (1 کورس)

۴۔ تاریخ: ماضی (خلافت راشدہ، اموی، عباسی اور عثمانی دور) جدید مسلم ممالک (2 کورس)

۵۔ جغرافیہ: مسلم امت: ماضی اور حال (1 کورس)

۶۔ مطالعۂ تہذیب: اسلامی تہذیب (اصول وفروع وتطبیقات) مغربی تہذیب۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ (4 کورس)

۷۔ مطالعۂ امت: عروج وزوال کے اسباب۔ نشأۃ ثانیہ کے ذرائع اور حکمت عملی (1 کورس)

۸۔ معاصر اسلامی تحریکیں (1 کورس)

iii۔ اسلامیات: حکومتی نصاب (7 کورس)

iv۔ اسلام اور جدید عصری مسائل

۱۔ اسلام اور جدید سیاسی مسائل (1 کورس) ۲۔ اسلام اور جدید معاشی مسائل (1 کورس)

۳۔ اسلام اور جدید معاشرتی مسائل (1 کورس) ۴۔ اسلام اور جدید سائنس (1 کورس)

۵۔ اسلام اور جدید فقہی مسائل (1 کورس) ۶۔ اسلام اور تعلیم (1 کورس)

v۔ معاون علوم

۱۔ فلسفہ: قدیم فلسفہ (یونانی، ہندی، چینی) جدید (مغربی) فلسفہ۔ اسلامی فلسفہ (1 کورس)

۲۔ میڈیا اہمیت، استعمال، تربیت (1 کورس)

۳۔ کمپیوٹر (طریق استعمال خصوصاً کمپوزنگ، ای میل، انٹرنیٹ سے اخذ معلومات وتحقیق۔ اسلامی استعمال (1 کورس)

vi۔ زبانیں

۱۔ عربی: قواعد (مکمل صرف ونحو) اوران کی تطبیق۔ لکھنے، پڑھنے، سننے، سمجھنے اور تکلم وانشاء کی مہارت۔ قدیم وجدید ادب (18 کورس)

۲۔ انگریزی: قواعد اوران کی تطبیق۔ لکھنے، پڑھنے، سننے، سمجھنے اور تکلم وانشاء کی مہارت۔ قدیم وجدید ادب (24 کورس)

۳۔ اردو: قواعد اوران کی تطبیق۔ لکھنے، پڑھنے، سننے، سمجھنے اور تکلم وانشاء کی مہارت۔ قدیم و

جدید ادب (5 کورس)

۴۔ فارسی: لکھنے، پڑھنے، سننے، سمجھنے اور تکلم و انشاء کی ابتدائی مہارت۔ (1 کورس)

vii۔ سماجی علوم (ایم اے) مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک مضمون

۱۔ جرنلزم (صحافت۔میڈیا) ۲۔ اکنامکس (جدید اور اسلامی معاشیات)

۳۔ سوشیالوجی (جدید اور اسلامی معاشرت) ۴۔ تعلیم (تربیت اساتذہ۔جدید و اسلامی)

۵۔ فلسفہ (قدیم۔جدید۔اسلامی) ۶۔ قانون (پاکستانی، مغربی، اسلامی)

اسکیم آف سٹڈیز: جدید عمرانیات (24 کورس)۔ عمرانیات کا اسلامی پہلو (12 کورس)۔

اسلامی علوم (9 کورس)

viii۔ تحقیق

طرق تحقیق (2 کورس) تحقیقی مقالہ (8 کورس)

کلاس وائز نصابی تفصیل

فی پیریڈ 45 منٹ روزانہ 10 پیریڈ (8 گھنٹے) ہفتے میں 6 دن سال میں 3 سمسٹر

ایف اے

۱۔ قرآن حکیم (تجوید) 1 کورس ۲۔ قرآن حکیم ترجمہ وتشریح (پارہ 1-14) 5 کورس

۳۔ حدیث 4 کورس (ریاض الصالحین ومشکوۃ) ۴۔ سیرۃ النبی 2 کورس

۵۔ عربی (قواعد و تطبیق) 12 کورس ۶۔ انگلش 12 کورس

۷۔ اسلامیات 5 کورس ۸۔ فقہ 1 کورس

۹۔ اردو 5 کورس ۱۰۔ فارسی 1 کورس

۱۱۔ کمپیوٹر 1 کورس ۱۲۔ مطالعۂ پاکستان 4 کورس

۱۳۔ مغربی تہذیب 1 کورس ۱۴۔ اکنامکس 6 کورس

کل مضامین/علوم 14 کل کورسز 60 کل کریڈٹ آورز 112

بی اے

۱۔ قرآن حکیم (ترجمہ وتشریح پارہ 15-30)3 کورس
۲۔قرآن حکیم (قدیم تفسیریں 2 کورس)
۳۔ قرآن حکیم (جدید تفسیریں 1 کورس)
۴۔ حدیث (بخاری، مسلم، سنن 4 کورس)
۵۔ اصول حدیث 1 کورس
۶۔ حجیت حدیث 1 کورس
۷۔ عربی (ادب جدید)3 کورس
۸۔ عربی (قدیم ادب)3 کورس
۹۔ انگلش 12 کورس
۱۰۔ اصول فقہ 1 کورس
۱۱۔ فقہ (ہدایہ)1 کورس
۱۲۔ فقہ مقارن 1 کورس
۱۳۔ فلسفہ 2 کورس
۱۴۔ اسلامیات 2 کورس
۱۵۔ اکنامکس 6 کورس
۱۶۔ اسلامی تاریخ 2 کورس
۱۷۔ مسلم فکر وتہذیب 2 کورس
۱۸۔ اسلام اور دینی تعلیم 1 کورس
۱۹۔ مسلم جغرافیہ 1 کورس
۲۰۔ مغربی فکر وتہذیب 2 کورس
۲۱۔ مطالعۂ پاکستان 2 کورس
۲۲۔ عقیدہ 1 کورس

کل مضامین/علوم 22 کل کورسز 54 کل کریڈٹ آورز 122

داخلہ شروع ہے

میٹرک پاس طلبہ کے لئے 6 سالہ عالمیہ/ ایم اے (اکنامکس، جرنلزم، انگلش) کے سال اول میں داخلے کا آغاز ہو چکا ہے۔ رہائش کی سہولت بھی میسر ہے۔ ہر مسلک کے اکابر علماء اور ماہرین تعلیم کی مشاورت کے ساتھ زیر نگرانی ڈاکٹر محمد امین۔

مولانا محمد طیب عثمانی

صفاء اسلامک سنٹر

135-A ہنزہ بلاک، بالمقابل فاروق ہسپتال، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون:0300-4609522، 0300-435 4673 ویب:ww.safa.edu.pk
ای میل: ermpak@hotmail.com

ایم اے اکنامکس

۱۔ جدید اکنامکس 24 کورس
۲۔ اسلامی اکنامکس 12 کورس
۳۔ طرق تحقیق 2 کورس
۴۔ تحقیقی مقالہ 8 کورس
۵۔ اسلام اور جدید معاشی مسائل 1 کورس
۶۔ اسلام اور جدید سیاسی مسائل 1 کورس
۷۔ اسلام اور جدید معاشی مسائل 1 کورس
۸۔ اسلام اور جدید فقہی مسائل 1 کورس
۹۔ اسلام اور (جدید) تعلیم 1 کورس
۱۰۔ اسلام اور سائنس 1 کورس
۱۱۔ معاصر اسلامی تحریکیں 1 کورس
۱۲۔ تزکیۂ نفس 2 کورس

کل مضامین/علوم 13 کل کورسز 55 کل کریڈٹ آورز 123

علامہ احمد جاوید

اکتساب فضائل (۲)

عقائد

س: یہ باتیں سمجھ آ گئیں اب شائد آپ ہمیں ایمانی فضائل کی طرف لے جائیں گے۔ اگر ایسا ہے تو ازراہ نوازش یہ واضح فرما دیجئے کہ ایمان میں فضیلت کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ فضیلت عمل کی نسبت سے تو سمجھ میں آتی ہے کہ فلاں عمل اچھا نہیں ہو رہا لہٰذا اسے ایک طے شدہ معیار کے مطابق اچھا کر لیا جائے لیکن کیا عقائد میں بھی یہ صورت اور گنجائش موجود ہے؟

ج: ایمان دو چیزوں کا مجموعہ ہے: اقرار اور عہد۔ یعنی اللہ کی عبودیت کا اقرار اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اپنے اندر مطلوبہ بندگی کو پیدا کیا جائے اور قائم رکھا جائے۔ میں اگر بندگی میں ناقص اور غافل ہوں تو اللہ کی عبودیت کا اقرار بہت زیادہ قابل قبول نہیں ہے۔ ان معنوں میں ایمان کے مدارج ہوتے ہیں جن میں ترقی کی لامحدود گنجائش ہے۔ ہم کسی قانونی بحث میں پڑے بغیر یقین اور اصرار کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایمان کا ہر جزو اس بات کو لازم کرتا ہے کہ ہم اپنی بندگی کے ذریعے سے اس میں اپنا صادق ہونا ثابت کریں۔ اللہ کو معبود ماننے

والا اگر نماز نہیں پڑھتا تو اس کا فطری مطلب یہی ہے کہ یا تو وہ جھوٹا ہے یا پھر اس کا ایمان اس حد تک ناقص ہے کہ قبولیت کی ابتدائی اور ادنیٰ شرط بھی پوری نہیں کرتا۔

ایمانی فضیلت کا اصول اور مجموعی مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے اقرار اور عہد پر بہتر سے بہتر طریقے سے کار بند رہنے مسلسل کوشش کرتا رہے۔ اقرار میں بھی ترقی کی ضرورت اور گنجائش ہمیشہ پائی جاتی ہے اور ایفائے عہد کا بھی یہی حال ہے۔ ہم ایمانی فضائل میں زیادہ تر انہی دو پہلوؤں سے کلام کریں گے۔

توحید

فضائل عقیدہ توحید

توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ الٰہ اس ہستی کو کہتے ہیں جو اپنی ذات میں یکتا اور صفات میں یگانہ ہو اور تمام موجودات اسی کی مخلوق ہوں اور ہر لحاظ سے اسی کی محتاج ہوں۔ ایسی ذات لامحالہ سب کی معبود ہوگی۔

س: کیا آپ بالکل صاف لفظوں میں یہ بتا سکتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کا حاصل کیا ہے؟

ج: کمال بندگی۔۔۔۔بندگی کا کمال معبود کی پکی معرفت، پرستش اور اطاعت سے عبارت ہے۔ یہ تینوں چیزیں خود معبود ہی کی بتائی ہوئی حدود میں ہوں گی۔

س: اس کی کچھ عملی مثالیں گنوا دیں تو ہمارے لئے سہولت ہوجائے گی۔

ج: سچے بندے اور کامل موٴحد کی چند نشانیاں عرض کر دیتے ہیں، امید ہے کہ اس سے بات پوری طرح واضح ہوجائے گی:

۱۔ شرک سے مکمل برأت ۲۔ گناہوں سے اجتناب ۳۔ بدعات سے پرہیز
۴۔ قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر مشروط تعلق ۵۔ عبادات میں احسان
۶۔ اخلاق میں تواضع ۷۔ حب دنیا سے دوری ۸۔ اللہ کا خوف
۹۔ اللہ سے شدید محبت ۱۰۔ راضی برضائے حق رہنا ۱۱۔ توکل
۱۲۔ توبہ کا ذوق ۱۳۔ اللہ کی شکر گزاری ۱۴۔ مصائب میں صبر

۱۵۔ جہاد سے محبت　　　۱۶۔ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت
۱۷۔ دوام فکر　　　۱۸۔ فکر آخرت

س: ان نشانیوں سے ساری بات واضح تو ہوگئی لیکن کیا یہ سب عقیدۂ توحید کے براہ راست حاصلات ہیں؟

ج: بلاشبہ دین کے تمام فضائل اسی عقیدے پر منحصر ہیں، تاہم ہم نے ان چند فضائل تک خود کو محدود رکھا ہے جن کا اس عقیدے سے براہ راست تعلق آسانی سے سمجھ میں آجائے بلکہ دکھائی دینے لگے۔ مذکورہ فہرست میں ہر چیز اپنی نوعیت کی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی فضیلت عقیدۂ توحید کی درستی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

س: ان میں سے چند ایک کا عقیدۂ توحید سے تعلق واضح کر دیا جائے تو بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی؟

ج: چند کی قید کیوں لگائی جائے؟ ایک اصول سمجھ لیں تو ان میں سے ہر ایک کا توحید سے براہ راست تعلق صاف نظر آنے لگے گا۔ وہ اصول بالکل سادہ سا ہے: بندگی کے تمام کمالات اور محاسن توحید کے صحیح عقیدے کا لازمی نتیجہ ہیں یعنی بندگی میں کوئی خوبی اس عقیدے کی محکم اور براہ راست نسبت سے خالی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ اصول ذہن نشین رہے تو بہت سی باتیں سہولت کے ساتھ قابل فہم اور لائق تسلیم ہوجاتی ہیں۔ اب آپ فرمایئے کہ اس کے بعد عقیدۂ توحید کے ساتھ ان فضائل کی نسبت سمجھنے میں کیا اشکال رہ جاتا ہے؟

س: جی ہاں اب تو بات بالکل واضح ہوگئی اس کی روشنی میں جو فضائل آپ نے بیان نہیں کئے ان کی نسبت بھی اس عقیدے کی درستی سے واضح اور ثابت ہوجاتی ہے۔

ج: ہم اس گفتگو کو جن مرحلوں سے گزاریں گے ان سے بھی آپ کو اس حقیقت تک پہنچنے میں خاصی مدد ملے گی کہ بندگی یعنی انسانیت کے تمام معاملات توحید پر منحصر ہیں۔

عقیدۂ توحید کے پیدا ہونے والے نتائج کی اگر درجہ بندی کی جائے تو مندرجہ ذیل امور

میں اس کا ضروری اظہار ہوسکتا ہے:

۔یقین　　۔تقدیر　　۔تسلیم ورضا　　۔توکل　　۔استمداد و استعانت

یہ پانچ باتیں بندگی کے کل بنیادی اور لازمی اجزاء ہیں ان میں سے ایک بھی اگر غائب یا کمزور ہوجائے تو عبودیت اپنی ضروری تکمیل سے محروم ہوجائے گی۔آپ دیکھئے کہ اللہ کو اپنا مالک ومعبود ماننے کی ابتدائی شرائط کیا ہیں؟ سب سے پہلے تو اس پر یقین رکھا جائے، اس کے علم کلی اور قدرت کاملہ کا اقرار کر کے سر تسلیم خم کر دیا جائے، اس کی مرضی کے آگے اپنی خواہشات کی مکمل نفی کردی جائے، اس کی رضا پر پوری رغبت اور آمدگی کے ساتھ راضی رہا جائے، اس کی اطاعت کر کے اپنے تمام معاملات اسی کو سونپ دیئے جائیں اور اپنی حاجت روائی کی ہر امید اور اپنی محتاجی کا ہر حل اسی کے قبضۂ قدرت میں سمجھا جائے۔ہم ان میں سے کوئی چیز چھوڑنے کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

س: کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ان پانچوں باتوں کو ذرا اور کھول کر بیان کردیں۔مثال کے طور پر مسئلہ تقدیر بہت الجھا ہوا ہے کیا عقیدۂ توحید نے ان مشکلات کو آسان کردیا ہے؟

ج: اس سوال کا جواب تھوڑی دیر کے لئے ہم پر قرض رہا۔ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں اپنی وضاحت کا آغاز یقین سے کرنا چاہئے۔

یقین

یقین دراصل تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ ایمان کے اکثر اجزاء تجربے اور مشاہدے سے اوپر کی چیزیں ہیں مثال کے طور پر جنت دوزخ وغیرہ ماورائے عقل وحواس ہیں عقائد میں سے صرف اللہ کی وحدانیت اپنے اندر ایسا زور رکھتی ہے کہ گویا ہر شخص، اگر اس کی فطرت مسخ نہ ہوگئی ہو، اس کا مشاہدہ اور تجربہ رکھتا ہے۔ہمارے علم وتجربے میں آنے والی تمام چیزیں اپنے خالق کی طرف اتنا واضح اشارہ رکھتی ہیں کہ خود ان چیزوں کی ذاتی حیثیت ثانوی ہوجاتی ہے۔آدمی میں جاننے اور ماننے کی جتنی صلاحیت اور استعداد پائی جاتی ہے وہ

ساری کی ساری اس بات پر گواہ ہے کہ ہر چیز کا پہلا تجربہ ہمیں اس کے اندر موجود اس اشارے تک پہنچاتا ہے جو وہ اپنے خالق کی طرف رکھتی ہے یعنی ہر شے، شے بعد میں ہے اور اللہ کی نشانی پہلے۔

ڈاکٹر مشتاق گوہر

انسانی فکر و عمل میں قلب کا بنیادی کردار (۲)

دل اور دماغ کے مابین دوطرفہ گفتگو کا سائنسی ثبوت

1970ء تک سائنس دان یہ سمجھتے تھے کہ صرف دماغ انسانی دل کو یک طرفہ احکام جاری کرتا ہے اور دل ہمیشہ ان کے مطابق کام کرتا ہے لیکن 1970ء کی دہائی میں امریکی ریاست اوہایو (Ohio) کے فیلس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Fels Research Institute) کے دوسائنس دانوں جان لیسی (John Lacey) اور اس کی بیوی بیٹرس لیسی (Beatrice Lacey) نے یہ حیرت انگیز دریافت کی کہ انسان کے دماغ اور دل کے درمیان دوطرفہ رابطہ (two-way communication) ہوتا ہے۔ یہ تحقیق امریکہ کے نہایت مؤقر سائنسی جریدے ''امریکن سائیکالوجسٹ'' (American Psychologist) کے 1978ء

کے شمارے میں چھپی۔ تحقیق کا عنوان تھا:

"Two-way communication between the heart and the brain"

انہوں نے تجربات سے یہ دریافت کیا کہ جب دماغ جسم کے مختلف اعضاء کو کوئی پیغام بھجواتا ہے تو دل آنکھیں بند کر کے اسے قبول نہیں کر لیتا۔ جب دماغ جسم کو متحرک کرنے کا پیغام (Arousal Signal) بھیجتا ہے تو کبھی تو دل اپنی دھڑکن تیز کر دیتا ہے اور کبھی دماغ کے حکم کے خلاف پہلے سے بھی آہستہ ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل اپنی ہی کوئی منطق استعمال کرتا ہے۔ مزید برآں دل بھی دماغ کو کچھ پیغامات بھیجتا ہے جنہیں دماغ نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ ان پر عمل بھی کرتا ہے۔

جان لیسی اور بیٹرس لیسی کی تحقیقات پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی سائنس دان ڈاکٹر رولن میکریٹی (Dr. Rolin Mc crety) اپنی کتاب *Heart-brain Neurodynamics The Making of Emotions.* (مطبوعہ کیلیفورنیا 2003ء) میں لکھتا ہے:

"As their research evolved, they found that the heart, in particular, seemed to have its own peculiar logic that frequently diverged from the direction of othert ANS responses. In essence, the heart seemed to behave as if it had a mind of its own."

''جیسے جیسے ان کی تحقیق مزید آگے بڑھی تو انہوں نے دریافت کیا کہ دل کی اپنی مخصوص منطق ہے جو بسا اوقات دماغ سے آنے والے پیغامات سے مختلف سمت میں جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ انسانی دل اس طرح کام کرتا ہے جیسے اس کا اپنا ایک دماغ ہو۔

امریکی سائنسدان ڈاکٹر پال پئیرسل (Paul Pearsall, Ph. D) نے انسانی دل

اگرچہ اگست کا شمارہ موجودہ زیادہ تقسیم نہ ہوسکا بایں ہمہ ہمیں البرہان کے اجراء پر بہت سے احباب کے فون اور خطوط موصول ہوئے خصوصاً مولانا محمد موسیٰ بھٹو صاحب (مدیر بیداری حیدرآباد)، پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب (استاد، ادیب، محقق)، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب (مدیر ماہنامہ القاسم، خالق آباد نوشہرہ)، جناب عطاء اللہ صدیقی صاحب (دانشور، سینئر سول سرونٹ)، ڈاکٹر حافظ حسن مدنی صاحب (مدیر ماہنامہ محدث، لاہور) اور میمونہ سجاد (مصنفہ، دانشور) کے پیغامات شامل ہیں۔ ہم تین خطوط تلخیصاً شائع کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ ہمیں روٹین کے اور تعریفی خطوط کی طباعت میں دلچسپی نہیں تاہم جن خطوط میں البرہان کے مضامین پر تنقیدی یا تحلیلی تبصرہ ہو یا اس کی بہتری کی تجاویز ہوں، انہیں ہم ضرور شائع کریں گے۔ امین

کی ذہانت پر اپنی کتاب "*The Heart's Code*" (مطبوعہ نیو یارک 1998ء) میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر پئیرسل بیان کرتا ہے کہ علوم انسانی کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ سائنس نے کئی سچائیوں کو بہت مشکل سے تسلیم کیا۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک ڈاکٹر حضرات جراثیم کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور اس دوران میں کئی مریضوں کی اموات جراثیموں کی وجہ سے ہوئیں کیوں کہ اس دور کے طبیب اپنا نشتر (scalpel) اپنے جوتے کے تلے کے چمڑے سے تیز کرتے تھے جس سے نشتر پر جراثیم لگ جاتے اور جس مریض کا اس سے آپریشن کیا جاتا اس کی موت کا باعث بنتے۔

وہ اطباء (doctors) اس بات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے کہ لوگ جراثیموں جیسی کسی مخلوق کے وجود کے قائل ہیں۔ بالآخر جب لیون ہک (Leewenhook) نے خوردبین (microscope) ایجاد کی اور سائنسدانوں نے خود اپنی آنکھوں سے جراثیم دیکھے تو پھر ہر اسپتال میں آپریشن سے پہلے ڈاکٹروں نے اپنے ہاتھ دھونا شروع کئے اور انہوں نے اپنے میڈیکل اوزاروں کو بھی جراثیموں سے پاک (sterilize) کرنا شروع کردیا۔ ڈاکٹر پئیرسل کے مطابق یہی حال سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کا بالآخر دل کے معاملے میں ہوگا جب انہیں پتہ

چل جائے گا کہ انسانی دل بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر پیئرسل مزید لکھتا ہے ''موجودہ دور کی ایجادات کا تعلق بھی دماغ ہی سے ہے، دل سے نہیں۔ درحقیقت دماغ سے ہمیں صرف سائنسی ترقی ملی ہے جب کہ اخلاقی ترقی صرف دل سے ہی مل سکتی ہے۔''
(بحوالہ: The Heart's Code)

ڈاکٹر پیئرسل کے مطابق پورے جسم میں دل کی ایک منفرد خصوصیت اس کا دھڑکنا (rhythmicity) ہے۔ جس کی وساطت سے دل پورے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہر دھڑکن کے ساتھ ہم دل کی موجودگی کو اپنے جسم میں محسوس کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی کلچر اور تہذیب کے کسی شخص کو لے لیں اور اس سے آپ کہیں کہ وہ اپنی ذات کی طرف اشارہ کرے تو کوئی شخص اپنے سر کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے 'میں' یہ کرتا ہوں یا 'میں' یہ کہتا ہوں۔

دراصل انسانی روح کا اصل مکان دل ہوتا ہے اور انسان کی ''میں'' دراصل اس کی روح ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی جب دل کا ذکر کرتے ہیں تو روح کا بھی ذکر کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض مغربی عیسائی مصنفین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں اس جنت کی یاد ابھی تک پائی جاتی ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا مثلاً مغربی مصنف رچرڈ ہائن برگ (Richard Heinberg) اپنی کتاب "*Memories and Visions of Paradise*" (مطبوعہ لاس اینجلس، 1989ء) میں لکھتا ہے:

''ہماری مصروفیت بھری زندگی کے ہنگاموں کی تہہ میں ہمارے دلوں اور ہمارے اجسام کے خلیوں (cells) کے اندر ایک کھوئی ہوئی جنت (A paradise lost) کی خفیہ یادیں پوشیدہ ہوتی ہیں جنہیں ہم جنت میں اپنی مشترکہ بچپن جیسی زندگی (our shared paradisal infancy) کہہ سکتے ہیں''۔

محقق جوزف چلٹن پیئرس (Joseph Chilton Pearce) اپنی کتاب " The

"Evolution's End"(مطبوعہ سان فرانسسکو، 1992ء) میں قلب انسانی کے متعلق سائنسی تحقیقات کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ ہمارے ذہن کو ہمارے دل کا آلہ(instrument) کہا جا سکتا ہے

2۔ ہمارے دل کو بذات خود انسانی زندگی کا آلہ کہا جا سکتا ہے۔

3۔ ہمارا دماغ اور ہمارا جسم کچھ اس طرح کی ساخت کے بنے ہوئے ہیں کہ وہ دل سے آنے والی انفارمیشن کو ہمارے لیے منفرد تجربۂ زندگی میں تبدیل کر سکیں۔ دماغ اور بقیہ جسم دل سے آنے والی اس انفارمیشن کا لمحہ بہ لمحہ تجزیہ کرتے رہتے ہیں اور پھر اس نتیجے کو جذبات کی زبان میں دل تک دوبارہ پہنچاتے ہیں۔

4۔ دماغ سے آنے والی رپورٹوں کے جواب میں قلب انسانی پورے جسم کو اعصابی اور کیمیاوی (neural and hormonal) سگنل بھیجتا ہے اور ان میں تبدیلی لاتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے زندگی کے متعلق ہمارا ایک خاص قسم کا تجربہ ہماری شخصیت پر ثبت ہو جاتا ہے۔

آخر میں محقق پیئرس جوزف قلب انسانی کے متعلق درج ذیل الفاظ میں خلاصہ کلام پیش کرتا ہے:

"Our heart plays a major, though fragile, role in our overall consciousness."

(ہمارا دل ہماری سمجھ بوجھ اور شعور میں نہایت اہم اور نازک کردار ادا کرتا ہے۔)

"*The Evolution's End*, Harper, San Francisco)